٧٨٦

چو غلامِ آفتابم همه ز آفتاب گویم،
نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم،

شمسِ معنوی

یعنے

دیوانِ غزلیاتِ مولانا رومؒ (المعروف بہ دیوانِ شمسِ تبریز)

پر

تاریخی تنقید اور ادبی تبصرہ،

از

غلام دستگیر رشید ایم۔ اے، (عثمانیہ)

استاذ فارسی نظام کالج حیدرآباد دکن،

باہتمام مسعود علی ندوی،

سنہ ۱۹۳۷ء مطبوعہ معارف پریس شہر اعظم گڈہ، سنہ ۱۳۵۵ھ

فہرستِ مضامین

شمسِ معنوی

باب دوم

داخلی شہادت

۷۳ - ۱۰۶

باب سوم ۳

مولینائے روم کی غزلیات کی خصوصیات

(محاسن ومعائب)

۱۰۷-۱۶۱

فہرست کتب

تاریخی مآخذ

نمبر سلسلہ	نام کتاب	مصنف	کیفیت
۱	سوانحِ مولینا روم،	علامہ شبلی نعمانی	مطبوعہ شاہجہانی پریس دہلی،
۲	انسائیکلوپیڈیا آف اسلام D.g. جلد		
۳	لٹریری ہسٹری آف پرشیا (جلد دوم)	پروفیسر براؤن،	
۴	دیوان شمس تبریز	مرتبہ ڈاکٹر نکلسن،	مطبوعہ کیمبرج سنہ ۱۹۹۸ء
۵	آتشکدۂ آذر	حاجی لطف علی بیگ آذر،	مطبوعہ فتح الکریم بمبئی سنہ ۱۲۹۹ھ
۶	خزینۃ الاصفیا جلد دوم،	غلام سرور،	مطبع منشی نولکشور سنہ ۱۸۳۷ء
۷	بہارستان	عبد الرزّاق خان،	(قلمی) سنہ ۱۱۹۴ھ
۸	سفینۃ الاولیاء،	شاہزادہ داراشکوہ،	(قلمی) سنہ ۱۰۴۹ھ
۹	مراۃ الاسرار،	عبد الرحمٰن چشتی صابری،	(قلمی) (سنہ ۱۰۴۵ھ تصنیف)
۱۰	طرائق الحقائق	حاجی مرزا معصوم خان،	
۱۱	حاشیہ نفحات	عبد الغفور لاری ؒ،	(قلمی) (سنہ ۹۰۹ھ تالیف)

نمبر سلسلہ	نام کتاب	مصنف	کیفیت
۱۲	نفحات الانس	مولینا عبدالرحمن جامیؒ،	(قلمی) ۸۸۳ھ
۱۳	تذکرۂ دولت شاہ،	شاہزادہ دولت شاہ	۸۹۶ھ تصنیف مطبوعہ لیڈن،
۱۴	مدنیۃ العلوم،	ازنیقی،	(قلمی)
۱۵	الجواہر المضیہ،	محی الدین ابن محمد عبدالقادر	مطبوعۂ دائرۃ المعارف،
۱۶	حقائق الاولیاء	محمد قیام الدین،	
۱۷	ہفت اقلیم،	امین احمد رازی،	۱۰۲۸ھ تصنیف
۱۸	مرأۃ الخیال،	شیر خاں لودی،	(مطبوعہ) و ۱۱۰۲ھ تکمیل،
۱۹	مناقب العارفین،	شمس الدین افلاکی مرید چلپی عارف	مطبوعہ ستارہ پریس آگرہ،
	″	″	(قلمی) کتبخانۂ آصفیہ،
۲۰	رسالۂ سپہ سالار،	فریدون سپہ سالار مرید خاص مولینا رومؒ	مطبوعہ محمود المطابع کانپور ۱۳۱۹ھ
۲۱	مثنوی سلطان ولدؓ (ربابنامہ)	سلطان ولد فرزند اکبر مولینا رومؒ	قلمی بقلم فرزند سلطان ولد ۸۱۶ھ کتابت
۲۲	فیہ ما فیہ	ملفوظات مولینا روم مرتبہ مولینا عبدالماجد دریابادی	مطبع معارف اعظم گڈھ
۲۳	(انتخاب) غزلیات مولنا روم و فرزند مولینا روم،		قلمی کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن

تبصرہ

از

مولانا عبدالماجد بی۔ اے دریابادی مندرجہ اخبار صدق مورخہ ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ (جلد ۳ ۲۲)

شمس معنوی :- از مولوی غلام دستگیر رشید صاحب ایم۔ اے

استاذ فارسی نظام کالج۔ حیدرآباد دکن

فارسی غزلیات کا ایک ضخیم مجموعہ دیوان شمس تبریزؒ کے نام سے اور بہت زائد ضخیم مجموعہ کلیات شمس تبریزؒ کے نام سے مشہور چلا آتا ہے۔ یہ اسی لطیف و دلچسپ مجموعہ پر تاریخی حیثیت سے تنقید ہے اور ادبی حیثیت سے تبصرہ۔

گو اہلِ نظر میں ہر شخص جانتا ہے کہ کلام سارے کا سارا صاحب مثنوی مولانائے رومیؒ کا ہے لیکن عام لوگوں کے دلوں میں یہی رچا ہوا ہے کہ وہ کلام شمس تبریزؒ کا ہے۔ مصنف شمس معنوی نے اسی مسئلہ کو موضوع تحقیق بنایا ہے اور بہ دلائل ثابت کیا ہے کہ یہ غزلیات مولاناؒ ہی کی ہیں۔ کتاب اول سے آخر تک یکساں دلآویز ہے اور مصنف کی تلاش و تفحص اور استنباط دونوں کی داد بار بار دل سے نکلتی ہے۔ یورپ میں اس قسم کی کوشش کسی نے کی ہوتی تو اس کا شمار محققین میں ہونے لگتا۔ اور ڈاکٹر کی ڈگری تو کہیں گئی تھی ہی نہیں۔ ہندوستان میں بہت ہی کم کتاب کے دو چار سو پڑھنے والے ہی نکل آئیں۔ زبان سلیس و فصیح، شستہ و شگفتہ اور انداز بیان پر لطف و دلکش۔ شروع کرنے کے بعد بغیر ختم کئے کتاب چھوڑنے کو جی نہ چاہے گا۔ مصنف دکھنی ہیں لیکن زبان پر صاف شبلی اور سلیمان ندوی کا دھوکا ہوتا ہے۔ کتاب ادب سے ذوق رکھنے والوں اور تصوف سے شوق رکھنے والوں دونوں کے یکساں کام کی ہے۔

قیمت۔ عہ علاوہ محصول ڈاک مصنف یا مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن سے مل سکتی ہے

بیا کہ من ز خُمِ پیرِ رُوم آوردم
مئے سخن کہ جواں تر ز بادۂ عنبی ست

(اقبال)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آغازِ سخن

خدا نے انسان کو جب ہستی کا جامہ پہنایا، تو اس میں کچھ گل بوٹے بھی بنا دیئے جس کی بدولت گلشنِ حیات کی رنگینی "جنتِ نظر" بن گئی، حُسنِ ازل کی طرف سے جو کچھ انسان کو ملا، اس میں ایک دل بھی ہے حُسن کے ساتھ عشق بھی پیدا کیا گیا، اور دل "مقامِ عشق" ٹھہرا، عشق کو نطق عطا کرنا مقصود ہوا، تو دل کو زبانِ عشق یعنی ملکہ شعر نصیب ہوا، عالمِ شعر کی ساری رونق جذبات کی بدولت ہے عشق ان کی جان ہے، روحِ روان ہے جس قدر قوی یہ جذبہ ہوتا ہے، کوئی اور جذبہ نہیں جس قدر لطیف یہ احساس ہوتا ہے، کوئی اور احساس نہیں، ع:-

عشق می گویم و جان می دہم از لذتِ وے

ایران اور عشقیہ شاعری۔ جس طرح مختلف افراد میں اس جذبہ کے اعتبار سے تفاوتِ باطنی ہوتا ہے، اسی طرح مختلف اقوام میں بھی بحیثیتِ مجموعی سوزِ عشق بہ اختلافِ مدارج پایا جاتا ہے، یوں تو ہر قوم کے گلستانِ ادب میں عشقیہ شاعری کی بہار ہے لیکن فارسی شاعری میں اس کا کچھ اور ہی حُسن و شباب ہے ایک وجہ اسکی یہ ہے، کہ مبدءِ فیاض نے ایران کو بھی حُسن بخشا ہے، اور اہلِ ایران کو بھی، ان قدرتی فیوض کے علاوہ ایران میں تمدن

کے عروج نے احساسات کو بے حد لطیف اور اشتعال انگیز بنا دیا تھا، پھر یہ کیسے ممکن ہے، کہ حُسن تو جلوہ ریز ہو لیکن عشق بیتاب نہ ہو، ع

جلوۂ طور تو موجود ہو موسی ہی نہ ہو،

ہر اہلِ دل اس مصرعہ کا مصداق بنا ہوا تھا، ع

اک آگ سی ہے، سینہ کے اندر لگی ہوئی،

نتیجہ یہ ہوا کہ عشقیہ شاعری کو اس سرزمین میں جسقدر فروغ ہوا کسی اور قوم کے ادب میں اسکی نظیر نہیں، اگرچہ ہر بوالہوس نے "حُسن پرستی" اور شعر گوئی کو اپنا شعار بنا کر اسکی رسوائی کا بھی کافی سامان کیا لیکن بحمداللہ "آبروے دیدۂ اہلِ نظر" پر کوئی حرف نہ آسکا،

غزل اور عشق کی ترجمانی، اصنافِ سخن میں سے غزل کو عشق و محبت کی ترجمانی کیلئے اختیار کیا گیا، اس لئے غزل کو معراجِ کمال اور قبولیتِ عام کا جو شرف حاصل ہوا، یہ بات کسی اور صنفِ سخن کو نصیب نہ ہوئی،

عشقِ حقیقی اور عشقِ مجازی کے جزئی و کلّی دقیق اور لطیف احساسات اور جذبات کی ترجمانی جس حسن و خوبی اور جس کثرت سے فارسی غزل میں ہوئی، اس کی نظیر دنیا کی کسی اور زبان میں مشکل سے ملتی ہے،

حسن اور عشق کے مدارج، جس طرح حُسن اور عشق کے مظاہر مختلف ہوتے ہیں، اس کے مراتب اور مدارج بھی مختلف ہیں، جیسے مظاہرِ حُسن غیر محدود ہیں، ویسے عشق کے مراتب بھی لاتناہی ہیں، محبت ماں سے بھی ہوسکتی ہے، اور بہن سے بھی، لوگ وطن پر بھی فدا ہوتے ہیں، اور اہلِ وطن پر بھی، قلبِ انسانی کبھی حُسنِ فطرت کا شیدا ہوتا ہے اور کبھی درِ دلت سے بے تاب، کوئی کسی سیمتن نازنین کے ایک ہی جلوہ سے اسقدر مسحور ہوتا ہے، کہ سب کچھ صرف اس کی ایک نگاہ لُطف پر قُربان کرنے کو طیار ہوتا ہے، لیکن یہ سب حُسن و عشق کی فانی صورتیں ہیں،

جذبۂ عشق کو کمال اور اطمینان اسوقت نصیب ہوتا ہے، جب وہ حُسنِ مطلق کا شیدائی ہوجاتا ہے،

بیتابیٔ عشق کو تسکین کامل حسن ازل ہی کے ربط سے ہوتی ہے،

عشق کا محرک حُسن ہے حُسن جس مرتبہ کا ہوگا کشش عشق بھی اسی درجہ کی ہوگی عشق حقیقی میں ناز اور نیاز دونوں بے نظیر ہین،... ع

من بہ نازی عجبے تو بہ نیازے عجبے،

(عشق مجازی میں وہ دبدبہ وجلال وہ جذبۂ استقلال وبیخودی، وہ بے نفسی اور تسلیم کہاں جو عشق حقیقی کا خاصہ ہے، اس مسلک محبت کا نام تصوف ہے، ایمان کا کمال اسی محبت کی شدت اور قوت مین پوشیدہ ہے، الذین آمنوا اشد حبًا للّٰہ، درس تصوف کی پہلی اور آخری کتاب "دیوان عشق" ہی ہے) عشقیہ شاعری کی معراج عشق حقیقی پر منحصر ہے، جو تصوف سے وابستہ ہے،

مجازی اور حقیقی عشق میں واردات قلبی، اور جذبات الفت مثلاً اشتیاق دید، لذت انتظار، تمنائے وصال، عشق اور اس کے لوازم تقریبًا ملتے جلتے ہین، البتہ خاص فرق وامتیاز محبوب اور مقصود کا ہوتا ہے، عاشق مجاز کا نشہ خمار آشنا ہوتا ہے لیکن طالب حق لذت شرب ومدام سے فیضیاب ہوتا ہے،

فارسی میں عشقیہ شاعری اور غزل سرائی نے بھی اسی اعتبار سے مدارج تاثیر وکمال طے کئے، ایک مدت تک ایران کی توجہ جنگی تحریکات اور جذبات کیلئے وقف رہی، اس دور میں شعراء کی طبع آزمائی بھی داستان سرائی اور قصیدہ گوئی کے میدان میں ہوتی رہی، اس کا اثر اسقدر نمایان تھا کہ تشبیب اور ابتدائی غزلیات میں بعض استعارات اور تشبیہات بھی رزمیہ اثر ہی کے تحت ایجاد ہوئین، مثلاً ابرو کو تیغ، نظر کو تیر اور مژگان کو خنجر سے تشبیہ دیجاتی تھی،

رزم سے بزم کی طرف طبیعت نے پلٹا کھایا، تو غزل سرائی رونق محفل بنی، ابتدائی منزلون میں غزل صرف عشق مجازی کی آئینہ دار بنی رہی لیکن جب دور تصوف آیا، تو عشق دنیا کا یہ غم محبوب حقیقی کے غم عشق سے مبدل ہوگیا، اس طرح غزل گوئی کے بادۂ خام کو صوفیاے کرام کے شیشۂ دل نے پختہ کردیا،

در دل ما غم دنیا غم معشوق بود　　　باده گر خام بود پختہ کند شیشہ ما

یا بقول مولانائے روم، ؎

آتش عشقست کاندر نے فتاد　　　آتشِ عشقست کاندر مے فتاد

غزل کی بلندی اور ترقی کی تاریخ تصوف کی ترقی سے وابستہ ہے محبوب اور مطلوب کی بلندی کے باعث عشق و محبت کو بھی بلندی حاصل ہوئی، یہی وجہ ہے کہ اربابِ صفا کے کلام میں جسقدر بلندیٔ جذبات پاکیزگیٔ خیال، صداقتِ احساس، اور اثرِ اخلاص پایا جاتا ہے، وہ کسی اور گروہ کے کلام میں نہیں،

صوفیانہ شاعری ان الفاظ اور خیالات سے پاک ہوتی ہے، جو پاکیزگی نزاہت اور تہذیب کے خلاف ہوتے ہیں، مثلاً بوس و کنار وغیرہ، اگرچہ عشقِ حقیقی کے صدہا مضامین مجاز کے پیرایہ میں ادا کئے جاتے ہیں لیکن صرف اس حد تک کہ بادہ و ساغر کے استعارہ میں مشاہدۂ حق کی گفتگو ہو سکے، لیکن اس پیرایۂ مجاز نے کبھی آلودگی کا داغ قبول نہیں کیا،

فارسی شاعری کی ممتاز خصوصیت، یہ بیان ہو چکا ہے کہ عشقیہ شاعری کا کمال عشقِ حقیقی پر موقوف ہے، اور تصوف کیساتھ مخصوص ہے اور زبانوں میں صوفیانہ شاعری کم ہے، پانچویں صدی ایران میں صوفیانہ شاعری کے عروج کا زمانہ ہے، کیونکہ یہ تصوف کا عہدِ شباب ہے، اسلئے عشقیہ شاعری کے حسن و کمال میں دنیا کی کوئی زبان فارسی کا مقابلہ نہیں کر سکتی، جو معنوی حُسن و بلندی اسکی وجہ سے شعر فارسی کو حاصل ہے اسکی نظیر شاید ہی دنیا کی کسی اور قوم یا زبان کی شاعری میں ہو، یہ وہ کمال ہے، جس پر اہلِ زبان اور فارسی دان جسقدر ناز کریں بجا ہے، کس زبان کی شاعری حدیقۂ سنائیؒ کی شادابی، عطارؒ کی عطر بیزی، سعدیؒ کی مۓ ناب نظامیؒ کی رمز گوئی، رومیؒ کے نغمۂ نے، عراقیؒ کے عرفانی گیت، حافظؒ کی نغمہ سرائی خسروؒ کے سحرِ حقیقت، جامیؒ کے جامِ جان بخش گلشنِ راز کی بہار، اور اقبال کے رموزِ بیخودی کا جواب پیش کر سکتی ہے، ظاہر بیں اور ظاہر پرست مغرب تو اس عالمِ لطیف کی نعمتوں اور اس خلد کی بہار سے تقریباً محروم

ہی ہے لیکن حقیقت شناس اور باطن نواز مشرق بھی فارس کے اس میکدۂ حقیقت کی نظیر نہیں پیش کرسکتا

اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ تصوف، ہر صوفی فرد یا صوفیانہ ذوق رکھنے والی قوم میں زبانِ شعر ہی اختیار کرے،

سب سے پہلے جن اہلِ دل بزرگوں نے کلام مجاز کو نغمۂ حقیقت سے بدلا، وہ حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ اور

خواجہ عبداللہ انصاریؒ ہیں، مثالاً عشق حقیقی کے ان اولین ترجمان شعرا کے کلام میں اثر، جوش، اخلاص، شدت

عشق، اور حُسنِ بیان ملاحظہ ہو جس سے پتہ چلتا ہے، کہ صوفیانہ شاعری کا آغاز کس قدر بلند اور اس کا قبلۂ

مقصود کسقدر رفیع الشان تھا،

عشق آمد و شد چو جانم اندر رگ و پوست تا کرد مرا تہی و پر کرد ز دوست

اجزائے وجودم ہمگی دوست گرفت نامیست ز من بر من و باقی ہمہ اوست

(خواجہ انصاری)

راہِ تو بہر قدم کہ پویند خوش است وصلِ تو بہر سبب کہ جویند خوش است

روئے تو بہر دیدہ کہ بینند خوش است نامِ تو بہر زبان کہ گویند خوش است

(ابوالخیرؒ)

ان کے بعد حکیم سنائیؒ نے حدیقہ نگاری فرمائی، انھوں نے اپنے کلام میں نہ صرف صوفیانہ جذبات

کا اظہار کیا، بلکہ مسائلِ تصوف کو بھی فلسفیانہ پیرایہ میں بیان کیا، حکیم سنائی کے بعد حضرت عطارؒ نے اپنی

عطر بیزی سے مشامِ جان کو معطر فرمایا، حضرت عطارؒ نے صوفیانہ شاعری کے دائرہ کو ایسی وسعت بخشی، کہ

مثنوی، رباعی، غزل سارے اصنافِ سخن پر بادۂ صافی کا نشہ چڑھ گیا، سب پر صبغۃ اللہ کی رنگینیاں اپنی

بہار دکھانے لگیں، تاتاری ہنگامہ نے پردۂ غفلت چاک کیا، عالمِ فانی کی بہار کے دو روزہ ہونے کا احساس

شدید اور عام ہوا تو فطرۃً حُسنِ باقی کی طرف اکثر اہلِ عبرت اور صاحبِ دل متوجہ ہو گئے، تصوف کی گرم

بازاری ہوئی، اکثر اربابِ صفا کو شعر گوئی کا ملکہ بھی فطرت سے ودیعت ہوا تھا، صوفی شعرا کی کثرت ہوئی

اوحدیؒ، سعدیؒ، عراقیؒ اور مولینا رومؒ نے صوفیانہ شاعری کے باغ کو رشکِ ارم بنا دیا،

صوفی شعرا میں مولانا روم کی اہمیت

بلاشبہ حکیم پاک ذات مرشد رومی کو ان عاشقانِ پاک طینت اور شاعران بلند فطرت کی سرداری حاصل ہے، ان کی حقیقت طرازی نے تو زبانِ شعر کو سراپا الہامی بنا دیا، انکی مثنوی کے متعلق اربابِ معرفت کا خیال یہ ہے، کہ ؎

مثنویِ مولویِ معنوی، ہست قرآں در زبانِ پہلوی،

اس کتابِ حق نما کی بنا پر انھیں، ع

نیست پیغمبر و لے دارد کتاب

کہا جاتا ہے،

حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب تصوف اور فارسی شاعری کی معنوی قدر و قیمت کی بلند بانگ نقیب ہے، ایک عالم اس کے سحر سے مسحور ہے، اور دنیا کی ساری اہم زبانیں اس کے معنوی فیض سے استفادہ کی کوشش کر رہی ہیں، شبلی کا یہ قول بالکل صحیح ہے، کہ انکی شہرت اور مقبولیت کے آگے ایران کی ساری تصانیف دب گئی ہیں، جس کام کو سنائیؒ اور عطارؒ نے شروع کیا، مولانا نے مثنوی کے ذریعہ اسے پایۂ تکمیل کو پہنچایا،

نظم میں علاوہ مثنوی معنوی کے انکی غزلیات کا بھی ایک قابلِ قدر اور عظیم الشان مجموعہ ہے، غزل کی جان گدازِ الفت، سوزِ دل، اور بیخودی کا اثر ہے، اگرچہ انوری، خاقانی، ظہیر فاریابی، کمال اسمٰعیل، مسعود سعد سلمان، اور عبد الواسع جبلی وغیرہم نے بھی غزلیں لکھیں، لیکن ان کے کلام کا نمایاں اور غالب عنصر صنائع نظمی، اور الفاظ کی مرصع کاری ہے، ان کی غزلیں اس سوزِ عشق سے خالی تھیں، جس نے اربابِ حال اور عشاقِ شیریں مقال کی غزلیات کو مئے دو آتشہ بنا دیا تھا،

صوفی غزل گو شعرا میں مولینا کی اہمیت

تذکرہ نویس متفق ہیں کہ ابتدا میں جن لوگوں نے صنفِ غزل کو ترقی دی، اور اس کے جسمِ مردہ کو معنی اور اثر کی روح بخشی اور غزل کو غزل بنایا، وہ سعدیؒ، عراقیؒ،

اور مولینا رومؒ ہیں، اگرچہ کلام کے صوری محاسن اور لطائف کے اعتبار سے مولینا کی غزلیات سعدیؒ اور عراقیؒ کی غزلیات کے ہم پایہ نہیں لیکن مختلف معنوی خصوصیات کے باعث ان کو ایک خاص حیثیت حاصل ہے، جو انھیں فارسی کے دیگر غزل گو صوفی شعراء سے ممتاز کرتی ہے،

مولینا کی غزلیات کی اہمیت | مولانا کی غزلیات مختلف وجوہ کے باعث مولانا کی تصانیف کا تفصیلی اور تحقیقی مطالعہ کرنیوالے کے لئے اہم اور توجہ کے قابل ہیں،

۱- یہ فارسی کے سب سے بڑے معنوی شاعر، صاحبِ مثنوی ہی کے کلام کا ایک بڑا جزو ہیں،

۲- غزلیات مثنوی سے پہلے لکھی گئی ہیں، یعنی یہ مولانا کے معنوی اور ادبی ارتقار کا پہلا زینہ ہیں،

۳- فارسی غزل کی ترقی کے سلسلہ میں ان کی خاص اہمیت ہے، کیونکہ مولانا غزل کے اولین دور کے شعرا میں ہیں،

۴- شاعری کی ایک نوع پیغام گوئی ہے، جس کی مثال اردو میں اکبرؔ اور اقبالؔ کی شاعری ہے، فارسی شاعری میں مولانا کی غزلیات پیغام گوئی کا بہترین نمونہ ہیں،

۵- گرمیٔ عشق، بیتابیٔ الفت، اسرار خودی، اور رموز بقا کی جس زور اور جس قوت سے پردہ کشائی کیگئی ہے، اسکی مثال فارسی شاعری میں سوائے اقبالؔ کے کسی اور کے کلام میں نہیں ملتی، اس خصوص میں ڈاکٹر اقبالؔ بھی بادۂ رومی سے فیضیاب ہوئے ہیں، ؎

من کہ مستیہا ز صہبایش کنم، زندگانی از نفسہایش کنم،

۶- انکی غزل مسلسل نظم معلوم ہوتی ہے، جس میں عشق و محبت اور دیگر احساسات کی تصویر اس تسلسل کیساتھ کھینچی ہے، کہ پردۂ دل کا نقش آنکھوں کے آگے آجاتا ہے،

دیوان کی طرف عدم توجہ | مثنوی بجا طور پر ہمیشہ اہلِ ادب اور عارفین کی توجہ کا مرکز رہی ہے، لیکن دیوان سخن شناسوں کی نگاہِ التفات سے محروم رہا، اِلّا ماشاءاللہ شاید ہی کسی نے اسکی طرف توجہ کی، عرصہ ہوا

ڈاکٹر نکلسن نے اپنی علمی مشنولیتوں کے ابتدائی دور میں چند غزلیات کا انتخاب ایک سرسری مقدمہ کیساتھ ۱۸۹۸ء میں کیمبرج یونیورسٹی سے شایع کیا تھا،

دیوان کے متعلق غلط فہمی، | اس عدم توجہ اور عدم تحقیق کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیوان کے متعلق غلط خیالات پھیل گئے، اور وہ بالکلیہ حضرت شمس تبریزؒ سے منسوب ہوگیا، اور عموماً حضرت شمس ہی کے کلام کا مجموعہ سمجھا جانے لگا، یہ سچ ہے کہ محققین کے نزدیک یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں لیکن بعض واقف حال اور اہل علم حضرات کے سوا تعلیم یافتہ لوگ بھی اسے حضرت شمس ہی کا دیوان خیال کرتے ہیں، اور جب ان کے سامنے حقیقت حال بے نقاب کیجاتی ہے، تو اس کو تعجب اور شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں:۔

اس لاعلمی اور غلط فہمی کے چند اسباب یہ ہیں:۔

۱۔ مطبوعہ کلیات شمس تبریز کے نام سے شایع ہوگیا،

(ملاحظہ ہو کلیات شمس تبریز مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۰۲ھ)

۲۔ کلیات کے علاوہ مطبع نولکشور نے دیوان کے نام سے منتخبہ غزلیات کے مختلف اڈیشن شایع کئے ہیں، وہ بھی دیوان شمس تبریز ہی کے نام سے موسوم کئے گئے،

(ملاحظہ ہو دیوان شمس تبریز لکھنؤ ۱۳۲۶ھ)

۳۔ اس سے پہلے دیوان کے جسقدر نسخے لکھنؤ اور کانپور سے طبع ہوئے ان پر دیوان شمس تبریز ہی لکھا ہوا ہے، چنانچہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں جسقدر مطبوعہ نسخے ہیں، انکا یہی حال ہے،

۴۔ غلط فہمی عام ہونے کے سب سے بڑی وجہ انہی دواوین کی غلط نام سے اشاعت تھی، کیونکہ اکثر پڑھے لکھے حضرات کے ہاتھوں میں یہی مطبوعہ نسخے پہنچے،

حتی کہ ڈاکٹر نکلسن نے جو انتخاب شایع کیا ہے، اس کا نام بھی دیوان شمس تبریز ہے، گو اصل راز سے وہ واقف ہیں، اور وہ اسکو مولانا ہی کا کلام سمجھتے ہیں، لیکن اپنے اس خیال کو دلائل سے مستحکم

نہیں کیا ہے،

کلیات یا دیوان کے مطبوعہ نسخون کے دیباچون یا اختتامی تحریرون اور طباعت کے تاریخی قطعات مین بھی ظاہر کیا گیا ہے، کہ یہ دیوان حضرت شمسؒ کا کلام ہے، مثلاً:۔

"دیوان کرامت نشان، مشرقستان مضامین توحید و عرفان، تجلی کدۂ لطائفِ ایقان، نور انگیز یعنی دیوان شمس تبریز از خزائنِ اسرار خاطر امین خلوت سرائے قدس قدوۃ العارفین، اسوۃ الواصلین، رفیق شریعت و طریقت، رمز شناس لطائفِ حقیقت و معرفت، غواص محیط وحدت، مشاہد وحدت در کثرت، ولی مادر زاد حضرت ملک داد، ملقب بہ شیخ شمس الدین تبریزی

(خاتمۃ الطبع دیوان شمس تبریز ۱۳۲۶ھ لکھنو)

مجموعہ کلامہائے حلاوت آگین، انگبین ریز، اعنی کلیات شمس تبریز، از خیالِ خدا داد تجلی زائی آفتاب تابان آسمانِ عرفان و سلوک، معرفت نژاد ولی مادر زاد محمد بن ملک داد حضرت شمس الدین تبریزی قدس سرہٗ،

(کلیات شمس تبریز ۱۳۰۲ھ نولکشور)

نظمیست عجیب دل نشینی	ہر مصرعۂ اوست بس طرب خیز
عاقل نوشت سال ہجری،	دلبر دیوان شمس تبریز

(۱۳۲۶ھ دیوان شمس تبریز منشی نولکشور)

دیوان کے قلمی نسخون کی فہرستون میں بھی اس کو کہیں کہیں حضرت شمس تبریز کی طرف نسبت دی گئی ہے، چنانچہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں دیوان کا ایک قدیم قلمی نسخہ ہے، لیکن وہ نہایت ناقص ہے یعنی ہر آٹھ دس ورق کے بعد ایک ورق غائب ہے، نہ اوسکا سرورق ہے، نہ آخر میں کچھ عبارت ہے، البتہ فہرست میں دیوان شمس تبریز ہی کے نام سے درج ہے، (ملاحظہ ہو فہرست کتب خانہ آصفیہ جلد اول صفحہ ۷۲۶)

مولینا حبیب الرحمٰن خان صاحب شروانی (نواب صدر یار جنگ بہادر) کے ہاں ایک قدیم نسخہ ہے لیکن افسوس ہے، کہ وہ بھی نامکمل ہے، صاحب موصوف نے ازراہ علم دوستی یہ نسخہ روانہ فرماکر استفادہ کا موقع بخشا جس کے لئے ہم نواب صاحب موصوف کے ممنون ہین، اس کا بھی یہی حال ہے، کہ نہ پہلا ورق ہے، نہ آخری صفحہ، اور نہ اس میں کوئی تحریر ہے، جس سے دیوان کی اصل ملکیت کے مسئلہ کا حل ہو سکتا،

مولانا کے معتبر ترین اور قدیم تذکرون، رسالۂ سپہ سالار اور مناقب العارفین میں دیوان کے متعلق کوئی تصریح نہیں ہے، بدنصیبی سے شعرا کے بعض تذکرون میں بھی حضرت شمس کو شاعر لکھا گیا ہے، اور اُن کے کلام سے نمونہ کے طور پر اشعار درج کئے گئے ہیں، مثلاً تذکرۂ روز روشن (۱۲۹۷ھ مولفہ محمد مصطفیٰ حسین مطبوعہ بھوپال) میں ہے،

"از شعشہ کلام شمس تبریز این شعر است"

در طوف حرم بودم دے مغبچۂ میگفت   کاین خانہ بدین خوبی آتشکدہ بایستے

اس قسم کی تحریرون سے غلط فہمی اور حقیقت فراموشی اور بڑھ جاتی ہے، کیونکہ محققانہ بیانات پر کم لوگوں کی نظر پڑتی ہے، حالانکہ تقریباً سارے محقق تذکرہ نویسون نے اس کو حضرت مولینا رومی کی تصنیف ظاہر کیا ہے،

چند غزلین عام طور پر مقبول اور مروج ہوئین، تو انکے مقطعوں میں حضرت شمس تبریزی کا نام تھا، اسلئے عام طور پر حضرت شمس کو فارسی کا ایک بلند پایہ شاعر اور اس دیوان کو انہی کے کلام کا مجموعہ سمجھا گیا، انہی اسباب کے باعث عارف روم کا شاندار تغزل پردہ پوش ہوگیا اور وہ ایک غزل گو شاعر کی حیثیت سے غیر معروف ہوگئے

جہانتک ہمیں علم ہو مشرق اور مغرب میں ابھی تک ایسی باقاعدہ اور محققانہ جد و جہد نہیں کی گئی، کہ اس دیوان کو ان شکوک و شبہات اور غلط فہمیوں کے طلسمات سے نکالا جائے اور داخلی و خارجی شواہد اور تاریخی و

ادبی براہین سے یہ واضح کر دیا جائے کہ یہ شراب طہور عارفِ روم مولوی معنوی ہی کی کشید کی ہوئی ہے،

ان صفحات میں اسی کی اولین لیکن ابتدائی کوشش کی گئی ہے، اور وہ بھی ایک طالب علم کی طرف سے،

کام کی اہمیت اور عظمت ظاہر ہے، لیکن بے بساطی اور بے سروسامانی کے باعث راہ میں مختلف مشکلات حائل ہیں،

اسکے لئے علاوہ شعراء اولیاء کبار کے تذکرون اور سوانح عمریوں کے ایک طویل سلسلہ کے کلیات کے کئی نسخون،

ملفوظات اور مثنوی معنوی کے سارے دفترون کا کامل مطالعہ ضروری ہے لیکن ایک تعلیمی سال کا تنگ وقت

دوسری تعلیمی مشغولیتون کے ساتھ ساتھ کما حقہ ان کے مطالعہ، فراہمی مواد، اور تحریر مقالہ کیلئے ناکافی ہے،

ہماری تلاش اور تحقیق کی بنیاد اس مواد پر ہے، جو حیدرآباد مین ہمارے ہاتھ آسکا، مغرب اور مشرق کے

کے مختلف مقامات پر جو اہم مواد پایا جاتا ہے، اسکے استفادے سے ہم مجبور اور معذور ہین،

کلیات کے بعض اہم اور قدیم نسخے جو قسطنطنیہ یا یورپ کے بعض کتبخانون میں پائے جاتے ہین، ہماری

رسائی سے باہر ہین، اس دقت کے سبب قدیم ترین اور صحیح ترین نسخہ کی بحث ہمارے دائرہ عنوانات

سے خارج ہے، سلسلہ تحقیق میں مختلف مقامات ایسے درپیش ہوتے ہیں، کہ قدیم اور معتبر نسخون سے مقابلہ

کئے بغیر کامل اطمینان نہیں ہوتا،

امید ہے کہ ایک طالب علم کی اس ابتدائی اور اولین کوشش پر نظر ڈالتے وقت یہ واقعی مشکلات بھی پیش نظر

ہونگی، اور مختلف کمزوریاں نظر انداز کیجائیں گی،

ہمارے مباحث کا سرسری خاکہ حسب ذیل ہے:-

۱- خارجی یا تاریخی شواہد جس سے ثابت ہو کہ دیوان شمس تبریز مولانائے روم کی غزلیات کا مجموعہ ہے،

۲- داخلی اور معنوی شہادتین جس سے مذکورہ بالا دعوی کی تائید ہوتی ہو،

۳- مولانا کی غزلیات کے محاسن نقائص اور خصوصیات جو انھیں فارسی کے دیگر مشہور غزل گو صوفی شعراء کے کلام سے ممتاز کرتے ہین،

۴- مولانا کا مسلک تصوف اور فلسفہ حیات جو دیوان سے مترشح ہوتا ہے،

ادوارِ زندگی، مولانا کے ادوارِ زندگی، ان کے معتبر ترین تذکرہ رسالۂ سپہ سالار کی روایت کے مطابق حسب ذیل ہیں،

۱۔ ۶۰۴ھ سنہ پیدائش،

۲۔ ... تا ۶۲۸ھ (عمر ۲۴ سال) تحصیل علوم ظاہری و سیاحت وغیرہ،

۳۔ ۶۲۸ھ تا ۶۴۲ھ (،، ۳۸ سال) تدریس و افتا، تکمیل دورِ قال،

۴۔ ۶۴۲ھ تا ۶۵۲ھ (،، ۴۸ سال) آغاز دورِ معنوی و ملاقات شمس و غیاب، تصنیف دیوان،

۵۔ ۶۵۲ھ تا ۶۶۲ھ (،، ۵۸ سال) دورِ تسکین و صحبت خاص صلاح الدین زرکوب،

۶۔ ۶۶۲ھ تا ۶۷۲ھ (،، ۶۸ سال) صحبت خاص حسام الدین چلپی و تکمیل مثنوی،

۷۔ ۶۷۲ھ سنہ وصال،

ضروری تنبیہ، اس مقالہ میں دیوان شمس تبریز کے ایسے حصۂ کلام سے بحث نہیں کی گئی ہے، جو مشکوک ہے، یا نمایاں طور پر دوسرے شخص کا کلام معلوم ہوتا ہے، جسے مولانا کے کلام میں داخل کر دیا گیا ہے، کیونکہ دیوان کے اصلی اور صحیح نسخہ کی بحث ہمارے موضوعِ بحث سے خارج ہے،

باب اوّل

تاریخی یا خارجی شہادت

مولیناؔ کے بعض خاص حالات مولینائے رُوم[1] رحمہ اللہ نے بتاریخ ۶؍ ربیع الاول ۶۰۴ھ ہجری عالم فانی میں قدم رکھا، مقامِ پیدائش بلخ ہے، نسبًا صدیقی ہیں، نسبتِ صدیقی کا اثر بزرگانِ خاندان میں مسلسل ظاہر ہوتا رہا، مولانا کے والد ماجد حضرت سلطان العلماء بہاء الدین علوم ظاہری و باطنی میں اپنے عہد میں بے نظیر کمال رکھتے تھے، برگزیدۂ خالق اور محبوبِ خلائق تھے،

شیخ عطار کی جوہر شناسی محمد خوارزم شاہ بلخ عزیز اور ارادتمند تھا، لیکن بعض غلط فہمیوں کی بنا پر برگشتہ ہوگیا، سلطان العلماء نے مع اپنی جماعت کے بلخ سے ہجرت فرمائی، اثنائے سفر میں قافلہ نیشاپور پہنچا، شیخ عطارؒ سلطان العلما کی ملاقات کے لئے تشریف لائے، مولانا کمسن تھے لیکن جوہر شناس عطارؒ نے اس قطرۂ نیساں کی قدر پہچان لی اپنی کتاب اسرار نامہ ہدیۃً دی، اور سلطان العلماء سے فرمایا،

"زود باشد کہ ایں پسر آتش در سوختان عالم بر زند"

تعلیم اور فضل و کمال ابتدا میں والد ماجد نے تعلیم و تربیت فرمائی، اس کے بعد تاج المخدومین حضرت سید برہان الدین جیسے متبحر عالم و عارف آپ کے معلم مقرر ہوئے، شوقِ علم کا یہ عالم تھا کہ حلب، دمشق، اور دیگر مقامات کے علمی مرکزوں میں جا کر اہلِ کمال کے فیضِ تعلیم سے مستفید ہوئے، نوجوانی ہی میں علم و فضل پایۂ استناد کو پہنچ گیا،

---

[1] یہ حالات مولینا کے معتبر ترین تذکرہ رسالہ سپہ سالار سے لئے گئے ہیں، سپہ سالار ص ۱۳

سپہ سالار کا بیان یہانتک ہے کہ حضرت خضر بھی باطنی طور پر اپنے علم لدنی سے مولینا کو فیض پہنچاتے رہے، خود مولانا فرماتے ہیں:-

"اول از خضرم بجملہ علم لدنی را یافتم"

اسی زمانہ سے دین کی راز دانی کا سلسلہ شروع ہوگیا،

والد ماجد کے انتقال کے بعد دوسروں کے اصرار پر تعلیم اور افتا کا سلسلہ شروع فرمایا، اور مسندِ علم پر رونق افروز ہوئے، صاحبِ مناقب راوی ہیں کہ چار سو طلبہ کا ہجوم ہر وقت رہتا تھا، مثنوی کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے، کہ علومِ مروجہ پر کسقدر تبحر اور عبور تھا، لیکن اس دفتر بے پایان سے "دل کا چین" حاصل نہ ہوسکا، باطنی طلب کی پیاس باقی رہی،

جوہر طینتِ آدم ز خمیر دگر است، تو توقع زگلِ کوزہ گراں می داری،

بچپن ہی سے عالم غیب سے ربط اور مناسبت کے آثار ظاہر تھے، لیکن مولینا نے پہلے حضرت سید برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، اور نو سال تک اصلاح باطن میں مصروف رہے، اس کے علاوہ قیام دمشق کے زمانہ میں شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربیؒ، شیخ سعد الدین حمویؒ، شیخ عثمانی رومی، شیخ اوحد الدین کرمانیؒ اور شیخ صدر الدین قونوی کی صحبت باسعادت رہی جس میں حقائق و معارف ہی کی گفتگو ہوتی تھی،

حضرت شمس سے ملاقات حضرت شمس الدین محمد تبریزی بابا کمال الدین جندی رح کے مرید، اور صاحبِ کمال تھے، شیخ فخر الدین عراقیؒ حضرت شمس کے پیر بھائی، اور ساتھی ہیں، خانقاہ میں عراقی کا یہ دستور تھا، کہ جن حقائق اور معارف کا انکشاف ہوتا، اور جو احوال مقامات سلوک میں ان پر گذرتے، ان کو اشعار کا جامہ پہناتے، اور شیخ محترم کو سناتے، ایک دن شیخ موصوف نے حضرت شمس سے بھی فرمایش کی، کہ تم بھی اپنے حالات کو صورتِ نظم میں پیش کرو، حضرت شمس نے اصطلاحی علوم اور شعر گوئی سے عدم واقفیت کا عذر فرمایا، حضرت بابا نے پیشینگوئی فرمائی، کہ

"حق سبحانہ تعالیٰ ترا مصاحبے روزی کند کہ معارف وحقائق اولین وآخرین را بنامِ تو اظہار کند، وینابیع حکم از دل او بر زبانش جاری شود، وبلباس حرف وصورت درآید، وطرزآن لباس بہ نامِ تو باشد"

(نفحات الانس جامی تذکرہ شمس الدین محمد بن ملک داد تبریزی)

خود حضرت شمس بھی اس کے متمنی تھے، کہ کوئی ایسا ہمراز ملجائے، جو میرے اسرار اور شدتِ حال کا متحمل ہو سکے، سپہ سالار کی روایت ہے کہ اس کے لئے حضرت شمس دعا فرماتے تھے، غیب سے اشارہ ہوا کہ روم کی طرف جاؤ، ....

"مولانا شمس الدین در وقت مناجات می فرمود کہ ہیچ آفریدہ از خاصانِ تو باشد کہ صحبت مرا تحمل تواند کردن، درحال از عالمِ غیب اشارت رسید کہ اگر حریف صحبت خواہی بطرف روم سفر کن، درحال ازان پائے متوجہ ولایت روم گشت وشہر بشہر جویان گشت تا بمحروسہ قونیہ برسید"

(سپہ سالار در ذکر شمس الدین)

یہاں ایک عارفانہ مکالمہ ہوا اور دونوں میں حُب للّٰہ کا ایسا تعلق قائم ہوا، کہ آج تک اس کا تذکرہ اور چرچا ہے، اس حقایق شناس کی صحبت سے مولانا نے درس وافتار کو ترک کر دیا، اور روز وشب شمس ہی کی خدمت میں رہنے لگے، اخبارِ رسول کا مشغلہ چھوڑ کر اسرارِ رسول سے لذت یاب ہونے لگے، خود فرمایا کرتے کہ علمائے ظاہر اخبارِ رسول سے واقف ہیں، اور مولینا شمس الدین اسرارِ رسول سے،

مناقب میں ہے:۔

"روزی مولانا فرمود کہ علما ظاہر واقفِ اخبارِ رسول اند، وحضرت مولانا شمس الدین واقفِ اسرارِ رسول است"

شمس تبریز توئی واقفِ اسرارِ رسول نامِ شیرین تو ہر دل شدہ رادرماں باد

اس سے پہلے مولانا کچھ وطن کے ماحول، اور کچھ احتیاط کے مدنظر شعر سے مجتنب تھے، لیکن اس صحبت کا ایک نیا رنگ یہ پیدا ہوا کہ مولانا نے سماع اور شعر گوئی کی طرف توجہ فرمائی، رفتہ رفتہ اس مشغلہ کی کثرت ہوئی، افلاکی لکھتے ہیں :-

"دائما اسرار و غزلیات می فرمود"

اس میں کچھ ذوقِ حال اور کچھ مصلحت شناسی کو دخل تھا، اس زمانہ میں شعر و شاعری کا بڑا چرچا تھا، مسلمان شعر کی طرف متوجہ تھے، غزلیات اور مثنویات سے دلچسپی پیدا ہو گئی، خصوصاً شاہنامۂ فردوسی کا مطالعہ بہت ہوتا تھا، دینی معارف کی طرف لوگوں کی توجہ نہ رہتی تھی، "عشقِ لیلیٰ" کا ذوقِ شعر نے عام کر دیا تھا، لیکن "عشقِ مولیٰ" کا دلدادہ نہ ملتا تھا، مولانا نے پیرایۂ شعر اور "نالۂ نے" میں عشقِ حقیقی کا وہ صور پھونکا کہ آجتک مردہ دل انکے کلام سے زندہ ہو رہے ہیں، انکی حقیقت خود بے نقاب فرمائی ہے،

"مردم این ملک از عالمِ عشق مالک الملک قوی بے خبر بودند، چناں مشاہدہ کردیم کہ ہیچ نوع بہ طرفِ حق مائل نہ بودند، و از اسرارِ الٰہی محروم می ماندند، بطریقِ لطائف، سماع و شعر موزون، کہ طبائع مردم را موافق افتادہ است، آن معانی را در خور ایشان دادیم، چہ مردم روم اہلِ طرب و زہرہ بیان بودند"

(مناقب العارفین در تذکرہ مولانا جلال الدین رومی)

تصانیف نظم میں مثنوی معنوی شہرۂ آفاق ہے، لیکن اس سے تقریباً دوگنے اشعار کا ایک دیوان ہے، یہ دیوان، دیوانِ شمس تبریز کے نام سے مشہور ہے، بالعموم انہی کا خیال کیا جاتا ہے، صرف اہلِ علم و خبر اس حقیقت حال سے واقف ہیں، اس کے مختلف اسباب اور وجوہ دیباچہ میں بیان ہو چکے ہیں، ہم تاریخی شواہد اور داخلی دلائل سے اس غلط فہمی کا پردہ اٹھانا چاہتے ہیں، مباحث کا مفصل خاکہ دیباچہ میں درج کیا جا چکا ہے،

آغاز بحث

تاریخی شواہد اب ہم اپنی بحث کے پہلے جز یعنی تاریخی شواہد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اس سلسلہ میں ہم پہلے متاخرین کے بیانات نقل کریں گے، پھر متقدمین کے،

تاریخی شہادتوں کی فراہمی میں مختلف مشکلات کا سامنا ہے، مولانا کے ہم عصر یا قریب العہد تذکرہ نویسوں کے تذکرے دستیاب نہیں ہوتے، تاہم استثنائی طور پر بعض اہم اور معتبر تذکرے اور دوسری نوعیت کی ایقان آفریں اور اطمینان بخش شہادتیں ملتی ہیں جن سے دعوی کا ثبوت ملتا ہے، البتہ متاخرین نے اپنے اپنے تذکروں میں مسلسل اس حقیقت کا اظہار کیا ہے،

علامہ شبلی کا بیان اس سلسلے میں سب سے پہلے ہندوستان کے مشہور مورخ اور ادیب فارسی شاعری کے جوہر شناس علامہ شبلی نعمانی کی شہادت نقل کرتے ہیں، آپنے علاوہ شعر العجم کے سوانح عمری مولینا روم کے نام سے مولانائے معنوی کی ایک مبسوط سوانح لکھی ہے جس میں ایک مستقل باب کے تحت مولانا کی تصانیف پر بھی نقد و تبصرہ کیا ہے آپ فیہ ما فیہ کے مختصر تذکرہ کے بعد بعنوان "دیوان" تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس[1] میں قریبًا پچاس ہزار شعر ہیں، چونکہ غزلوں کے مقطع میں عمومًا شمس تبریز کا نام ہے، اسلئے عوام اسکو شمس تبریز ہی کا دیوان سمجھتے ہیں، چنانچہ دیوان مطبوعہ کی لوح پر شمس تبریز ہی کا نام لکھا ہے، لیکن یہ نہایت ہی فاش غلطی ہے، اولًا تو شمس تبریز کا نام تمام غزلوں میں اس حیثیت سے آیا ہے، کہ مرید اپنے پیر سے خطاب کر رہا ہے، یا غائبانہ اسکے اوصاف بیان کرتا ہے،

دوسرے ریاض[2] العارفین وغیرہ میں تصریح ہے، کہ مولانا نے شمس تبریز کے نام سے یہ دیوان لکھا، اس کے علاوہ اکثر شعرا نے مولینا کی غزلوں پر غزلیں لکھی ہیں، اور مقطع میں تصریح کی ہے، کہ یہ غزل مولانا کی غزل کے

---

[1] ص ۲۰، ۲۱، سوانح مولوی روم از شبلی حصہ دوم مطبوعہ شاہجہانی پریس دہلی، [2] اس تذکرہ کا ذکر مولینا شبلی نے علاوہ سوانح مولینا روم کے شعر العجم میں بھی کیا ہے، لیکن افسوس کہ حیدرآباد میں اس کا کوئی نسخہ نہ ملا، ؟

جواب میں ہے، اسکے ساتھ مولانا کی غزل کا پورا مصرعہ یا کوئی ٹکڑا اپنی غزل میں لے لیا ہے، یہ وہی غزلیں ہیں جو مولانا کے اس دیوان میں ملتی ہیں، جو شمس تبریز کے نام سے مشہور ہے، مثلاً علی حزینؒ کہتے ہیں،

این جواب غزل مرشد روم است کہ گفت — من ببوئے تو خوشم نافہ تاتار مگیر،

دوسرا مصرعہ مولینا کا ہے، چنانچہ اس کا پورا شعر یہ ہے،

من بہ کوئے تو خوشم خانۂ من ویران کن — من ببوئے تو خوشم نافۂ تاتار مگیر

حزین کی ایک اور غزل کا شعر ہے:۔

مطرب ز نوائے عارف رومؒ — این پردہ بزن کہ یار دیدم،،

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کی شہادت، | انسائیکلوپیڈیا[1] آف اسلام کی شہادت ہے،

"جس واقعہ سے ان کی ذہنی اور اخلاقی زندگی سب سے زیادہ متاثر ہوئی وہ صوفی شمس الدین تبریزیؒ سے ان کی ملاقات ہے،

اپنے رہبر طریق کی احسانمندی کا اعتراف مولینا نے بدین صورت کیا ہے، کہ اپنے کلام کا ایک بڑا حصہ ان کے نام موسوم فرمایا، ایک دیوان بھی ان کی تصنیف[2] ہے"

مذکورہ بالا افکار کا بڑا حصہ (a great part of his work) دیوان ہی ہے جو شمس تبریز کی طرف منسوب ہے، کیونکہ مثنوی تو کسی دوسرے کی طرف منسوب ہی نہیں ہے،

پروفیسر براؤن کا بیان، | پروفیسر براؤن (E. G. Brown) اپنی مشہور عالم کتاب "ایران کی ادبی تاریخ" (۱۹۰۶ء) (Literary History of Persia Vol II. P. 519) میں مولانا کی غزلیات کے متعلق لکھتے ہیں،

"نکلسن کی تحریر کے مطابق غزلیات کے متعلق جو دیوان شمس تبریز کے نام سے معروف ہیں، دولت شاہ کا یہ بیان ہے کہ یہ خاص طور پر حضرت شمس کے غیاب دمشق کے دوران میں لکھی گئیں، لیکن رضا قلی خان کا قیاس یہ ہے کہ یہ مولانا کی یاد

---

[1] ...اڈیشن ج [2] انسائیکلوپیڈیا، اور دیگر تذکروں میں اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے، کہ مولانا کا دیوان حضرت شمس تبریزؒ سے منسوب ہوگیا، اس واقعہ کو اس پیرایہ میں لیا ہے،

میں لکھی گئیں لیکن نکلسن کا اپنا خیال جو غالباً صحیح ہو یہ ہے کہ دیوان کا ایک حصہ تو شمس تبریزی کی زندگی ہی میں لکھا گیا ہو، اور ایک بڑے حصے کا زمانہ تصنیف مابعد کا ہے[1]۔"

نکلسن کا بیان، | مندرجہ بالا عبارت میں براؤن نے ڈاکٹر نکلسن کے حوالہ سے اس واقعہ کا اظہار کیا ہے لیکن ڈاکٹر نکلسن کا بیان ملاحظہ ہو جس میں ایک خاص انداز سے اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہو کہ مولینا کا دیوان شمس کے نام سے مشہور ہو گیا[2]،

"دیوان ہرگز شمس تبریزی کے نام سے منسوب یا موسوم نہیں کیا گیا جبکہ غالباً انکی تکمیل سے پہلے وصال ہو گیا پھر کس سبب سے انکا نام سرورق اور اکثر غزلیات کے مقطعوں میں پایا جاتا ہو وہ کون ہیں؟ اور جلال الدین رومی سے ان کا کیا ربط ہے[3]،؟

کیوں کسی فردوسی اور حافظ کے مرتبہ کے شاعر کے غیر فانی تغزل کا سہرا ایک غیر معروف درویش کے سر رہا"؟

آتشکدہ آذر، | آتشکدۂ آذر[4] میں حاجی لطف علی بیگ آذر کہتے ہیں،:۔

"در اکثر ابیاتِ عاشقانہ و عارفانہ کہ اسم شمس تبریزی بردغرض شیخ شمس الدین تبریزیست کہ اصلش از خراسان بودہ وخود در تبریز متولد شدہ،

مثنوی اشعار بسیار دارد آنچہ بہ نظر فقیر قلیلی ازان را بزعم خود انتخاب کردہ، بسمع دوستان میرساند" مثلاً

ایا کہ عشق نداری ترا رواست بخسپ	ترا کہ عشق نداری ترا رواست بخسپ
برو کہ عشق و غم او نصیب ماست بخسپ	برو کہ عشق و غم او نصیب ماست بخسپ
(آتشکدہ)	(دیوان شمس تبریز مطبوعہ منشی نولکشور ۱۹۲۴ء)
بنمائے رُخ کہ باغ و گلستانم آرزوست	بنمائے رُخ کہ باغ و گلستانم آرزوست

---

[1] مجمع الفصحا، پر رضا قلی خان مطبوعہ ایران ۱۲۹۵ھ ص۲۸۶ [2] منتخب غزلیات دیوان شمس تبریز ڈاکٹر رینالڈ اے نکلسن کیمبرج ۱۸۹۸ء

[3] اس سے مراد یہ ہے کہ ارادۂ تکمیل کے بعد مولانا کی طرف سے حضرت شمس کے نام معنون نہیں کیگئی [4] آتشکدہ آذر ص۲۹۱

مؤلفہ حاجی لطف علی بیگ صاحب آذر مطبع فتح الکریم بمبئی ص۲۲۳ اخگر دوم شرارۂ اولی،

بکشائی لب کہ قند فراوانم آرزوست	بکشای لب کہ قند فراوانم آرزوست
یکدست جام بادہ ویک دست زلفِ یار	یکدست جام بادہ ویکدست زلفِ یار
رقصی چنین میانۂ می دانم آرزوست	رقصی چنین میانۂ می دانم آرزوست
وی شیخ باچراغ ہمی گشت گرد شہر	وی شیخ باچراغ ہمی گشت گرد شہر
کز دیو و دو ملولم وانسانم آرزوست	کز دیو ملولم وانسانم آرزوست ،
زین ہمرہانِ سست عناصر دلم گرفت	زین ہمرہانِ سست عناصر دلم گرفت
شیر خدا ورستم دستانم آرزوست	شیر خدا ورستم دستانم آرزوست
گفتم کہ یافت نی نشرد . . . . ما	گفتہ کہ یافت نیست کہ بس . . . . . ما
گفت آن کہ یافت می نشود آنم آرزوست	گفت آن کہ یافت می نشود آنم آرزوست
(آتشکدہ آذر)	(دیوانِ شمس تبریز مطبوعہ نولکشور)

عارفانہ اور عاشقانہ ابیات جنھیں مولانا نے حضرت شمس کا نام درج کیا ہے، دیوان کے اشعار ہین سوائے مثنوی کے دیگر "اشعار بسیار" سے مراد غزلیات ہی کے شعر ہین، جن کا مجموعہ کلیاتِ شمس تبریز کے نام سے ہمارے پیش نظر ہے، چنانچہ مثلاً جن اشعار کو حاجی صاحب نے درج فرمایا ہے، دیوان سے انھیں اشعار کو بالمقابل درج کیا گیا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ دیوان مولانا روم ہی کے غزلیات واشعار کا مجموعہ ہے،

خزینۃ الاصفیاء | صاحبِ خزینۃ الاصفیاء[1] مولینا کی غزل گوئی اور حضرت شمس تبریز سے انکی محبت اور کلام مین انکی (طبع ۱۲۹۰ھ) محبت سرائی کے متعلق لکھتے ہین،

"مولینا جلال الدین رومی صاحبِ مثنوی را کمال اعتقاد و یگانگت باوے بود وہمیشہ باوے صحبت میداشت و در اشعار خود در اکثر جا ستائشِ وے کردہ اند"

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد دوم مصنفہ غلام سرور مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ ۱۸۷۳ء، سنہ ۱۲۹۰ھ صفحہ ۲۶۸

شیخ حسام الدین چلپی کے ذکر میں لکھتے ہیں ،۔

"چون حسام الدین الٰہی نامہ حکم سنائی ومنطق الطیر فرید الدین عطار ومصیبت نامۂ وے بدید بخدمت مولوی عرض کرد کہ حالا غزلیات بسیار شدند اگر بہ طرز الٰہی نامہ ومنطق الطیر کتابے منظوم گردد ، بر صفحۂ ہستی یادگار بماند"

ان بیانات سے مولانا کی کثرتِ غزل گوئی اور حضرت شمس کی ستایش کا ثبوت بہم پہنچتا ہے ، یہ ستایش دیوان شمس تبریزی میں پائی جاتی ہی،

مجمع الفصحا ۱۲۸۴ھ مجمع الفصحا ، کا بیان نہایت واضح اور مفصل ہی،

حضرت شمس کے حالات مین لکھتے ہین :۔

"چون ملتجی شد بہ سیر وسیاحت رغبت فرمود ، وبخدمت مشائخ رسید ، ارادت بشیخ رکن الدین سنجاسی داشت ، وی و شیخ فخر الدین ابراہیم ہمدانی متخلص بہ عراقی ، شیخ از شمس پرسید کہ فرزند! تو توانی واردات خود را در صورت عبارت والفاظ در آوردن"

وی گفت "مرا از علم صورت ونظم بہرہ نیست"،

شیخ فرمود "خداوند بتو فرزند ومصاحبے روحانی خواہد داد کہ بسیارے از علوم اولین وآخرین بنام تو در روزگار از وباقی ماند پس بجانب روم رو حقیقت معلوم شود ، در آنجا یم سوختہ ہست آتش در او زن کہ عالم را روشن کند"

شمس کی سیاحت اور مولینا روم سے ملاقات اور اون کی عقیدتمندی کی تفصیل کے بعد لکھتے ہین،

"مولینا بنابر ارادت دیوانی بنام شیخ تمام فرمود واین کہ تا اکنون بہ نظر رسید چہل وپنجاہ ہزار بیت اشعار است وبغایت نیکوست،

چون مقصود مولانا بقائی نام جناب شیخ است اشعار خود را بنام او گفتہ باآنکہ شمس سوز شاعر نبودہ"

مولانا نے اپنے کلام میں اسرارِ شمس کی ترجمانی فرمائی ہے، اس لئے مدح شمس بھی بڑی کثرت اور شدت سے کیگئی ہے، دیوانِ شمس کے مطالعہ سے یہ بات آئینہ ہو جاتی ہے،

بہارستان سخن شاہ نوازخان | عبد الرزاق خان خوانی المخاطب بہ شاہ نوازخان صمصام الدولہ اپنے تذکرہ امرا اہل سخن موسوم بہ بہارستانِ سخن[۱] میں لکھتے ہیں،

"دیوان فیض نشانِ وے کہ اکثر در فراق شمس الدین تبریزی است ونام شریف وے بطریق تخلص درآن درج کردہ سی ہزار بیت است، چند بیت از دیوان مولانا است

شراب شیشۂ انگور خواہم، حریف سرخوش مخمور خواہم،
بیا نزدیکم اے ساقی کہ امروز، من از خود خویشتن را دور خواہم"

داراشکوہ ۱۰۴۹ھ | شاہزادہ محمد داراشکوہ اپنے مشہور تذکرہ صوفیہ "سفینۃ الاولیار[۲]" (سنہ تصنیف ۱۰۴۹ھ) بعنوان "در ذکر شمس تبریز" بیان کرتے ہیں:-

"مولینا جلال الدین رومی راکمال یگانگی ویکجہتی بایشان بودہ وہمیشہ باہم صحبت میداشتند، ودراشعار خود ہمہ جاستایش کردہ اند،"

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ "دراشعار خود ہمہ جاستایش کردہ اند" کا مرجع صرف دیوان شمس تبریزی کی غزلیات ہیں، کیونکہ تقریباً ہر غزل میں حضرت شمس کی ستایش کسی نہ کسی صورت میں پائی جاتی ہے، بلکہ اُسے حضرت شمس کا ستایشی دیوان کہا جائے تو بہتر ہے:-

مرأۃ الاسرار عبد الرحمن چشتی ۱۰۴۵ھ | تذکرہ مرأۃ الاسرار[۳] میں عبد الرحمن چشتی صابری نے اس راز کو بخوبی بے نقاب

۱؎ قلمی نسخہ سنہ کتابت ۱۱۹۲ھ ص ۱۲۰، کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن شمس کا نام بطور تخلص درج نہیں ہے، بلکہ بطریق ممدوح ہے،
۲؎ سفینۃ الاولیا قلمی کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن، ص ۱۵۹ ۳؎ تذکرہ مرأۃ الاسرار عبد الرحمن چشتی صابری ۱۰۴۵ھ قلمی کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن،

کیا ہے، صاحبِ تذکرہ تحریر فرماتے ہیں، کہ حضرت خواجہ شمس الدینؒ نے حضرت شمس تبریز سے فرمایا کہ "حق سبحانہ تعالیٰ ترا مصاحبی روزی کند، کہ معارف حقائق اولین و آخرین را بنامِ تو اظہار کند و ینابیع حکمت از دلِ او بزبانش جاری شود، و بلباس حرف و صوت درآرد و طرز آن لباس نام تو باشد، چنانکہ در تصنیفات مولوی روم ظاہر است، (ص ۱۲۵)

یہ بیان کس قدر واضح ہے، حسب ذیل کلمات قابلِ غور ہیں،

۱۔ "معارف حقائق اولین و آخرین را بنامِ تو اظہار کند"

۲۔ "طرز آن لباس بنام تو باشد"

۳۔ "چنانکہ در تصنیفات مولوی روم ظاہر است"

تصنیفات مولوی روم میں اس کا بہترین مصداق سوائے دیوان شمس تبریز کے اور کوئی کتاب نہین ہے،

یہ پیشینگوئی کیونکر حرف بحرف پوری ہوئی ملاحظہ ہو،

مولانا کے حال میں لکھتے ہیں،

"کار او بصحبت خواجہ شمس الدین تبریزی بکمال رسیدہ چنانکہ در دیوان خود اکثر جا نسبت ارادت خود را بخدمت وے، درست می کند، ازان جملہ یک بیت اینست"

گرد عطار گشت مولینا، شربت از دست شمس بودش نوش،

(دیکھو دیوان شمس تبریز لکھنؤ ردیف ش،)

صاحب تذکرہ مرآۃ الاسرار ذکر شمس تبریز کے سلسلہ میں بیان کرتے ہیں، کہ

سلہ دیگر تذکرہ نویسوں نے یہ پیشینگوئی بابا کمال الدین جندی سے منسوب کی ہے، (دیکھئے نفحات ذکر شمس) غالباً اس موقع پر صاحب تذکرہ سے غلطی سرزد ہو گئی ہے،

"قیاس کنند کہ خواجہ شمس الدین از جملہ طالبان[1] مولوی روم بودہ وہرگاہ در مصنفات مولوی روم نگاہ میکنیم وی خود را از کمترین طالبان و مریدان خواجہ شمس الدین شمردہ است چنانکہ در دیوان اشعار وی چند جا ظاہر یافتہ می شود" از آن جملہ چند بیت،

نام آنکس ہر کہ مردہ از جمالش زندہ شد ۔ گریہ ہائے وصل عالم از وصالش خندہ شد

آن خنک جائے کہ لطفِ شمس الدین بیافت ۔ ہر گذشت از نہ فلک ہر لامکان باشندہ شد

چون شمس الدین نظیرے نیست این جا، ۔ چون شمس الدین نباشد روئے خورشید"

مولانا کے فیضِ روحانی کے سرچشمہ کا اظہار کرتے ہوئے چند شعر نقل کئے ہیں، جو دیوان میں پائے جاتے ہیں،

"وہم از اشعار وے ظاہر می شود کہ وے را فیض خاص بحسب روحانیت حضرت مصطفوی و مرتضوی تمام بودہ است، چنانچہ از غلبہ شوق بسروجد حال خود می فرماید، غزل،

زخلق احمد مختار مستیم،	زخلقِ احمدِ مختار مستیم،
زمہر حیدر کرار مستیم،	زبوئے حیدرِ کرار مستیم،
نسیمے یافتم از شمس تبریز،	نسیمے یافتم از شمسِ تبریز،
کہ من زان سالکِ اسرار مستیم"	کہ از آن سالکِ اسرار مستیم،
(تذکرہ)	(کلیات شمس تبریز لکھنؤ)

طرائق الحقائق معصوم خان، آقا حاجی مرزا معصوم خان، "طرائق الحقائق" میں بابا کمال الدین جندی کے ذکر میں لکھتے ہیں، :-

"اما بابا کمال جندی[2] شمس الدین تبریزی وازوی بمولی جلال الدین رومی نیز متصل می گردد چنانکہ گزشت در ذکر سلسلۂ مولویہ وبعضے باین اشعار مولینا کہ در غزلیات فرمودہ استشہاد نمودہ نظر او

---

[1] مرآۃ الاسرار ص ۳۰۲، [2] طرائق الحقائق سنہ طباعت ۱۳۱۶ھ کتبخانہ آصفیہ ص ۵ اجز ثانی،

بہ نجم الدین بودہ؛

حسب ذیل اشعار درج ہین، اور یہ دیوان میں پائے جاتے ہین،

دیوان	تذکرۂ مذکور
ما ازان محتشانیسم کہ ساغ گیرند	"ما ازان محتشانیسم کہ ساغ گیرند،
نہ ازان مفلسگان کہ بز لاغر گیرند،	نہ ازان مفلسگان کہ بز لاغر گیرند،
بیکے دست مئے خالص ایمان نوشند	بیکے دست مئے خالص ایمان نوشند
بیکے دستِ دگر پرچم کافر گیرند	بیکے دستِ دگر پرچم کافر گیرند"
(دیوان مطبوعہ لکھنو ردیف د)	

حاشیہ نفحات الانس لاری ۹۰۹ھ | مولانا عبد الغفور لاری حضرت جامیؒ کے خادم اور ارادتمند ہین، اونھون نے حضرت جامیؒ کے صاحبزادہ مولانا یوسف کے ایماء سے تکمیل نفحات الانس کے طور پر ایک تذکرہ لکھا ہی، اس کا نام حاشیہ نفحات الانس ہے، تذکرہ کم یاب بلکہ نایاب ہے، ایک[1] قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں موجود ہی، صاحبِ حاشیہ نفحات مولانا روم کے حالات درج کرنے کے بعد حضرت شمس کے حال میں لکھتے ہین،

"چنانچہ مولینا تخلص بنام شیخ شمس الدین کردہ"

اس ایک حقیقت کی کہ دیوان شمس تبریز کلام شمس نہیں بلکہ مولانا کی غزلیات کا مجموعہ ہے مختلف تعبیرین ہماری نظر سے گذری ہین، اس حقیقت کی ایک تعبیر خاص یہ بیان بھی ہی،

ظاہر ہے کہ یہ بیان مثنوی معنوی سے متلق تو نہیں ہوسکتا، کیونکہ اس کا کوئی محل نہین، مولانا کے کلام میں صرف مجموعہ غزلیات المعروف بہ دیوان شمس تبریزی ہے، جس پر یہ قول صادق آسکتا ہے، کیونکہ کثرت سے مقطع کے اندر بجائے اپنے تخلص کے مولینا شمس کا نام لاتے ہین لیکن اس انداز سے جیسے

[1] سنہ تالیف ۹۰۹ھ قلمی، اس میں اوراق کا شمار ہے، ورق ۹۲،

عقیدتمند مرید اپنے مرشد طریق کا ذکر کرتا ہو، مثلاً

شمس تبریز بما راہِ حقیقت بنمود، ما زفیضِ قدمِ اوست کہ ایمان داریم

نفحات الانس جامی ۸۸۳ھ | نفحات[1] الانس مولانائے روم کا مشہور تذکرۂ اولیا ہے، حضرت جامی شیخ نجم الدین کبری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر فرماتے ہوئے بیان کرتے ہیں، کہ جب کفار تاتار نے خوارزم پر حملہ کیا اور سلطان محمد خوارزم بھاگ نکلا تو کفار تاتار نے خیال کیا کہ وہ خوارزم میں ہے، اسلئے داخل خوارزم ہوئے، شیخ نے اپنے بعض احباب کو طلب کیا اور فرمایا،

"زود برخیزید و بہ بلاد خود روید کہ آتش از جانب مشرق برافروخت، تا نزدیک بہ مغرب خواہد سوخت، این فتنہ ایست عظیم کہ درین امت مثل این واقع نشدہ است، بعض از اصحاب گفتند چہ شود، اگر حضرت شیخ دعاے کند، شاید کہ این بلا از بلاد مسلمانان مندفع شود، شیخ فرمود کہ این قضائیست مبرم، دعا دفع نمی تواند کرد، پس اصحاب التماس کردند کہ چار پایان آمدہ است، چنانچہ حضرت شیخ نیز با اصحاب موافقت کنند.......... شیخ فرمود کہ من اینجا شہید خواہم شد و مرا اذن نیست کہ بیرون روم"،

چنانچہ حضرت موصوف نے کفار کے داخل ہونے پر بڑے استقلال سے مقابلہ فرمایا، تفصیل کیلئے نفحات کا اصل صفحہ ملاحظہ ہو،

"چون کفار بہ شہر در آمدند شیخ اصحاب باقی ماندہ را بخواند و گفت "قوموا باذن اللہ علی اسم اللہ تعالیٰ نقاتل فی سبیل اللہ" بخانہ در آمد و خرقہ خود را پوشیدہ و میان محکم بست...... و بیرون آمد، چو با کفار مقابل شد...... کفار ویرا تیرباران کردند، یک تیر بر سینۂ مبارک وے آمد، بیرون کشید و بینداخت، و بران برفت،

[1] نفحات الانس، قلمی نمبر ۲۹، ورق، کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن، سنہ تصنیف ۸۸۳ھ مولفہ محمد عبدالرحمٰن جامی،

گویند کہ در وقت شہادت پرچم کافوری راگرفتہ بود، بعد از شہادت دہ کس نتوانستند کہ دیرا از دستِ شیخ خلاص دہند"

خاص توجہ کے قابل مندرجۂ ذیل تحریر ہے:۔

"بعضے گفتہ اند حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ در غزلیاتِ خود اشارت باین قصہ وانتساب خود بحضرت شیخ کردہ آنجا کہ گفتہ است،

ما ازان محتشانیم کہ ساغر گیرند	ما ازاں محتشانیم کہ ساغر گیرند
نہ ازان مفلسگان کہ بز لاغر گیرند	نہ ازان مفلسگاں کہ بز لاغر گیرند
بیکے دست مئے خالص ایمان نوشند	بیکے دست مئے خالص ایماں نوشند
بیکے دست دگر پرچم کافر گیرند"	بیکے دست دگر پرچم کافر گیرند"
(تذکرہ)	دیوان شمس تبریز لکھنؤ ردیف د)

دولت شاہ سمرقندی ۸۹۶ھ، تذکرۂ دولت شاہ[1] کا بیان ہے، کہ مولینا شمس الدین تبریزا اپنے شیخ کبیر رکن الدین سنجابی کے حکم سے روم آئے، شہر قونیہ میں مولانائے روم سے ملاقات ہوئی، جب کہ وہ اپنے معتقدین اور متعلمین کی ایک جماعت کیسا تھ جا رہے تھے، حضرت شمس تبریز نے از روے فراست اپنے محبوب اور مطلوب کو پہچان لیا اور سوال کیا:۔

"غرض از مجاہدت وریاضت وتکرار ودانستن علم چیست"

مولانا نے جواب میں کہا:۔

"روشِ سنت وآدابِ شریعت"

حضرت شمس نے کہا:۔

[1] تذکرۂ دولت شاہ مصحح براؤن مطبوعہ بریل لیڈن سنہ تصنیف ۸۹۶ھ،

"این ہمہ از روے ظاہر است"

مولانا نے دریافت فرمایا:۔

"ورائے این چیست"

شمس عرفان نے اس پر یون ضیاپاشی فرمائی:۔

"علم آنست کہ بہ معلوم رسی"

اور سنائی کا یہ شعر پڑھا:۔

علم کز تو ترا نہ بستاند، جہل از آن علم بہ بود بسیار،

تذکرہ کے مطابق مولینا جواب سے متحیر ہوئے، اور حضرت شمس کی صحبت اختیار فرمائی، واقعات وحالات کچھ اس نوعیت کے درپیش ہوئے، کہ حضرت شمس شام کی طرف روانہ ہوگئے، مولانا حالتِ فراق سے نہایت مضطرب اور بےچین ہوئے، اس حالتِ جوش میں کثرت سے غزل فرماتے جن مین شمس کی مدح وتعریف اوران کے فیض اوراپنی بےچینی اور تڑپ کا اظہار ہوتا،

"شمس الدین عزیمت شام نمود.... ودر آرزوے او مولینا می سوخت وقوالان رامی فرمود تا سرود عاشقانہ می گفتند شب وروز بہ سماع مشغول بودند، واکثر غزلیات کہ در دیوانِ مولانا مسطور است، در فراق شمس الدین گفتہ است"...... واز معارف مولانا ست بنام شمس الدین این غزل،

آنا کہ بسر در طلبِ کعبہ دویدند، چون عاقبۃ الامر بہ مقصود رسیدند،

مدینۃ العلوم ازنیقی قبل ۹۴۳ھ،	ازنیقی[۱] رومی مدینۃ العلوم مین زیرِ عنوان مولانا رومی[۲] رقمطراز ہے،

[۱] ازنیقی خود رومی ہے، اور محمود بن محمد بن قاضی تزادہ رومی کا شاگرد وفات (۹۴۳ھ) [۲] قلمی ص ۲۷ کتبخانہ حکیم عبدالحبیب صاحب دریابادی توسط مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدیر صدق کے ہم اس بزرگانہ عنایت کیلئے ان ہر دو حضرات کے ممنون ہین،

ومن علماء الحنفية الشيخ جلال الدين
القونوي وهو محمد بن محمد بن حسين
بن احمد ينتهي الى ابي بكر الصديق
كان عالما بالمذهب واسع الفقه
عالماً بالخلاف وانواع العلوم
.....ثم ان الشيخ جلال الدين
انقطع وتجرد، ترك التصنيف و
الاشتغال وسبب ذلك انه جالس
في بيته وحوله الكتب والطلبة
فدخل عليه الشيخ شمس التبريزي
فسلم وجلس وقال للشيخ ما
هذا واشار الى الكتب والحالة
التي هو عليها فقال له مولينا جلال
الدين هذا لا تعرفه، فما فرغ
الشيخ جلال الدين من هذا
اللفظ الا والنار عمالة في البيت
والكتب، فقال مولانا جلال الدين
للتبريزي، ماهذا فقال هذا
لا تعرفه ثم قام وخرج من

علمائے حنفیہ سے شیخ جلال الدین قونوی
بھی ہیں، ان کا نسب محمد بن محمد بن حسین بن
احمد کے سلسلہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی تک
پہنچتا ہے، مذہب کے ماہر اور فقہ پر وسیع
نظر رکھتے تھے، انہیں خلافیات اور دیگر
مختلف علوم میں تبحر حاصل تھا...... پھر
انقطاعِ تعلق اور تجرد اختیار فرمایا، تصنیف
اور دیگر مشاغل ترک کر دیئے، باعث اس کا
یہ ہوا کہ وہ ایک دن گھر پر بیٹھے ہوئے تھے
ان کے اطراف کتب اور طلبہ کا حلقہ تھا کہ حضرت
شیخ شمس تبریزی تشریف فرما ہوئے، سلام
کے بعد بیٹھ گئے، شیخ (رومیؒ) سے ان کی کتابوں
اور شغل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ
کیا ہے؟ مولانا جلال الدین نے جواب
دیا کہ آپ ان چیزوں کو نہیں جانتے؛
مولانا رومی ابھی یہ الفاظ پورے بھی نہ کرنے
پائے تھے کہ گھر اور کتابوں میں آگ لگ
گئی، مولینا جلال الدینؒ نے شیخ تبریزی
سے استفسار فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت نے

عندہ فخرج الشیخ جلال الدین	فرمایا تم اسے نہیں سمجھ سکتے پھر وہ اٹھ کھڑے
علی قدم التجرید وترک اولادہ	ہوئے اور وہاں سے روانہ ہوگئے، پھر تو شیخ
وحشمہ ومدرستہ وساح	جلال الدین نے بھی تجرید کی راہ اختیار کی
فی البلاد وذکر اشعاراً کثیرۃ	اور اولاد حشم وخدم اور مدرسہ سے قطع تعلق کرلیا
ص ۲۸	مختلف شہروں کی سیاحت فرماتے، اور بکثرت

ملاقات اور اسکی تفصیل کے متعلق ارنیقی کی روایت تمسک ہے، کیونکہ اس بارے میں مختلف روائتیں ہیں البتہ آخری جملہ اہم ہے، کیونکہ دیگر معتبر روایات سے اس کی مطابقت ہوتی ہے، اور یہی ہمارے موضوع سے متعلق ہے، سبب یہ ہے کہ مولینا حضرت شمس کی جدائی سے نہایت مضطرب الحال تھے، اور کثرت سے اس حال میں اشعار لکھے ہین، جو دردِ فراق وجوشِ اضطراب کے ترجمان ہیں، اور دیوان مین اکثر پائے جاتے ہین، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کلام مولینا کا ہے، مثلاً:-

ہجرِ شمس میں مولانا کی آنکھ خونریز ہوگئی ہے:-

زہے چشمِ مرا حاصل شدہ آئینِ خونریزی زہجرانِ خداوندی شمس الدین تبریزی

مولانا شب وروز شمس ہی کی جستجو مین بے قرار رہتے ہین:-

اندر طلب تو شمسِ تبریز، تا کشف شود ہمہ معانی،

اپنے خونِ جگر کو صورتِ شعر میں ظاہر کرتے تھے،

خون میشود نش از شعر رنگی می دہم نافہ خون آلود گردد جامہ خون آلایشے

الجواہر المضیہ ابن عبد القادر قبل ۷۷۵ھ. مدینۃ العلوم کی شہادت کا ماخذ ایک اور مشہور عربی تذکرہ الجواہر المضیہ[1] فی طبقات الحنفیہ ہے، اس کا مؤلف مولینا کا قریب العہد تذکرہ نویس ہے، کچھ حصہ حذف کرکے تقریباً لفظاً اس

[1] الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ جزء ثانی ص۱۲۳، ۱۲۴ ۵ - التالیف شیخ الامام محدث محی الدین ابی محمد عبد القادر

تذکرہ سے یہ بیان اخذ کیا گیا ہے، ملاحظہ ہو اس میں بہ عنوان رومی یہ عبارت درج ہے،

كان عالمًا بالمذهب واسع الفقه	مذہب کے ماہر اور فقہ پر وسیع نظر رکھتے
عالمًا بالخلاف وبانواع من العلوم	تھے، انھیں خلافیات اور دیگر مختلف علوم
......مات فى خامس جمادى الآخرة	میں تبحر حاصل تھا...... ۶۷۲ھ میں واصل
سنة اثنتين وسبعين وست مائة	بحق ہوئے، انھوں نے انقطاع تعلق یکسوئی
ثم ان الشيخ جلال الدين انقطع	اور تجرد اختیار فرمایا، تصنیف اور دیگر
وتجرد وهام وترك الدنيا والتصنيف	مشاغل ترک کر دیئے، باعث اس کا یہ ہوا
والاشتغال وسبب ذلك انه كان	کہ وہ ایک دن گھر پر بیٹھے ہوئے تھے، ان
يومًا جالسًا فى بيته، وحوله الكتب	کے اطراف میں کتب اور طلبہ کا حلقہ تھا،
والطلبة. فدخل عليه الشيخ شمس الدين	حضرت شیخ شمس تبریزی تشریف فرما
التبريزي الامام الصالح المشهور	ہوئے، سلام کے بعد بیٹھ گئے، شیخ (رومی)
فسلم وجلس وقال للشيخ ماهذا	سے ان کی کتابوں اور شغل کی طرف
واشار الى الكتب والحالة التى	اشارہ کر کے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ مولانا
هو عليها فقال له. مولانا جلال	جلال الدین نے جواب دیا، کہ آپ ان
الدين. هذا لا تعرفه. فما فرغ	چیزوں کو نہیں جانتے، مولینائے رومی
الشيخ جلال الدين من هذا	ابھی یہ الفاظ پورے بھی نہ کرنے پائے تھے
اللفظ الا والنار عمالة فى البيت	کہ گھر اور کتابوں میں آگ لگ گئی، مولانا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰) ابن ابی الوفا محمد قرشی حنفی مصری (ولادت ۶۹۶ھ وفات ۷۷۵ھ) یہ مولانا کے قریب العہد تذکرہ نویس ہیں، کیونکہ مولانا کا وصال ۶۰۳ھ میں ہوا، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن،

والكتب فقال مولانا جلال الدين	جلال الدین نے شیخ تبریزی سے استفسار
للتبریزی ماهذا فقال له التبریزی	فرمایا کہ یہ کیا ہے ؟ حضرت نے فرمایا تم اسے
هذا لا تعرفه ثم قام وخرج من	نہیں سمجھ سکتے، پھر وہ اٹھ کھڑے ہوئے، اور
عنده فخرج الشیخ جلال الدین	وہان سے روانہ ہوگئے، پھر تو شیخ جلال الدین
علی قدم التجرید وترك اولاده	نے بھی تجرید کی راہ اختیار کی اور اولاد،
وحشمه ومدرسته وساح	حشم وخدم اور مدرسہ سے قطع تعلق کرلیا،
فی البلاد وذکر اشعار کثیرة،	مختلف شہرون کی سیاحت فرماتے، اور بکثرت

یہان بھی قابلِ توجہ یہی امر ہے، کہ مولینا شمس الدین کی جدائی کے بعد بے انتہا مضطرب ہوئے، اور اس مضطربانہ حال میں کثرت سے اشعار فرماتے رہے، (وذکر اشعار کثیرة) دیوان شمس تبریز مین کثرت سے ایسے اشعار ملتے ہین، جس مین "دیوانہ روئے شمس" نے شمس کی جدائی اور فراق کے صدمہ کا طرح طرح سے ذکر کیا ہے، یہ کھلی دلیل ہے کہ یہ اشعار یا یہ مجموعۂ کلام شمس کا نہیں، بلکہ شمس کے واحد معلوم ومشہور عاشق مولینا کا ہے، چنانچہ اشعار ملاحظہ ہون تاکہ واقعاتِ حیات سے اُنکی مطابقت ہوجائے،

جانِ مارا باز بین اے خواجہ تا شمس دین — زان کہ ما ہستیم و عالم جملگی در کار مست،

حضرت شمس کی واپسی کے خیال پر سرور کا اظہار فرماتے ہین،:۔

چو باز آید بسوئے من ز تبریز، — ازان حضرت رخش چو ماہتاب است،

اس سلسلے میں ساقی سے مخاطب ہوکر فرماتے ہین،:۔

مکن تاخیر از بہر (کبابے) شرابے[1]، — کہ دلہا در فراق او کباب است،

بعض تذکرے ایسے ہین کہ ان میں کوئی واضح بیان تو موجود نہیں، لیکن صرف بطور نمونہ

---

[1] غالبًا شرابے ہوگا،

بعض اشعار درج ہین،

مولینا کے حالات میں لکھا ہو کہ جب سلطان العلما بہاء الدین وطن چھوڑ کر جانے لگے، تو دوران سفر میں حضرت شیخ عطار سے ملاقات ہوئی، مولینا کم عمر تھے لیکن شیخ عطار نے اپنی کتاب "اسرار نامہ" تحفہ دی اور مولینا سے فرمایا:-

روز[۱] باشد کہ این پسر آتش در سوختان عالم برزند"

مولانا نے سنائی اور عطار سے معنوی اور ادبی فیض پایا جس کا مختلف مقامات میں ذکر فرماتے ہیں ہین، مثلاً:- ؎

عطار روح بود و سنائی دو چشم او ما از پے سنائی و عطار آمدیم،

مولوی محمد قیام الدین عرف قاضی خان اپنے تذکرہ حقائق[۲] الاولیا، (۱۱۵۴ھ) میں مولینا پر حضرت عطار کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرماتے ہین:-

"این روایت از کلام فصاحت انجام ایشان ظاہر گردد کہ فرمودہ اند" بیت،

گرد عطار گشت مولینا شربت از دست شمس بودش نوش

(دیوان شمس تبریز نولکشور، ردیف ش)

اس سلسلہ میں دوسرا تذکرہ ہفت[۳] اقلیم (۱۰۲۸ھ) ہے جس کے مؤلف امین احمد رازی ہین بعنوان "در ذکر مولینا" انھون نے مندرجۂ ذیل تمہید کیساتھ اشعار درج کئے ہین،

"بیتے چند جہت انبساط خاطر افسردہ دلان واندمال جراحت خستگان آوردہ شد"،

دیوان	تذکرہ
اے شاہ جسم و جانِ ما خندہ کن دندانِ ما	اے شاہ جسم و جان ما خندہ کن دندان ما

[۱] تذکرہ دولت شاہ سمرقندی [۲] قلمی نسخہ ۱۱۵۴ھ کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن [۳] ہفت اقلیم و اقلیم چہارم قلمی کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن سنہ تصنیف ۱۰۲۸ھ صفحہ ۲۳۴،

سرمہ کش چشمانِ ما اے چشمہا را توتیا	سرمہ کش چشمانِ ما اے چشمہا را توتیا
ماگوئی سرگردانِ تو اندر خمِ چوگانِ تو	ماگوئی سرگردانِ تو اندر خمِ چوگانِ تو
گوخوانیش سوئے طرب گررانیش سوئے بلا	گرخوانیش سوئے طرب گررانیش سوئے بلا
آیا کہ عشق نداری ترا رواست بجنب	ترا کہ عشق نداری ترا رواست بجنب
بروکہ عشق وغم او نصیب ماست بجنب	بروکہ عشق وغم او نصیب ماست بجنب
بنمائے ارخ کہ باغ وگلستانم آرزوست	بنمائے رُخ کہ باغ وگلستانم آرزوست
تانفس خیالِ دوست باماست ،	یکے نقشِ خیالِ دوست باماست ،
مارا ہمہ عمر خود تماشا تست ،	مارا ہمہ عمر خود تماشا تست ،

ان کے علاوہ اور بھی اشعار ہیں، لیکن دیوان کے موجودہ نسخوں میں نہیں پائے جاتے، جیسا کہ اوپر ظاہر کیا گیا ہے تذکرہ کے یہ اشعار مولانائے روم کے "دیوان شمس" میں پائے جاتے ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ دیوان شمس تبریز مولانا کے کلام کا مجموعہ ہے،

مرأۃ الخیال (۱۱۰۲ھ) سے ہمارے دعوے کی حقیقت بالکل آئینہ بن جاتی ہے، اسکے مؤلف تذکرہ شیر خان لودھی میں "عنوان رومی" کے تحت لکھتے ہیں :-

"من اشعارہ اللطیفۃ القدسیۃ

تذکرہ	دیوان
اے شاہ جسم وجانِ ما خندان کن دندان ما	سرمہ کش چشمانِ ما اے چشم جان را توتیا
	اے شاہ جسم وجانِ ما خندان کن دندانِ ما
	سرمہ کش چشمانِ ما اے چشم جان را توتیا
ماگوئی سرگردان تو اندر خم چوگانِ تو	ماگوئی سرگردانِ تو اندر خم چوگان تو

گہ خوانیش سوے طرب گہ رانیش سوے بلا	گہ خوانیش سوے طرب گہ رانیش سوے بلا
گہ جانب خوابش کشی گہ سوے آسایش کشی	گہ جانب خوابش کشی گہ سوی آسایش کشی
گہ جانبِ شہر بقا گہ جانبِ دشت فنا ،،	گہ جانبِ شہر بقا گہ جانب دشت فنا
(تذکرہ مراۃ الخیال)	(دیوانِ شمس تبریزی لکھنؤ)

بعض اشعار ایسے ہین جنھین مختلف تذکرہ نویسون نے اپنے اپنے تذکروں میں درج کیا ہے یہ غزل بھی اسکی ایک مثال ہے ہفت اقلیم میں بھی یہ اشعار ہین اگرچہ مختلف اصحاب نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اشعار انتخاب کیے ہین، یہ بھی ایک دلیل ہے، جو ہمارے اس دعوی کو ثابت کرتی ہے، کہ "دیوان شمس تبریز" درحقیقت مولینا ہی کے مجموعۂ کلام کا نام ہے،

ابتک ہم نے جو بحث اوپر کی، وہ دو طرح کی تھی، ایک تو یہ کہ اولیائے کرام اور شعراء کے تذکرہ نویسون کے واضح اور صاف بیانات کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہو کہ دیوان شمس تبریز مولینا ہی کے کلام کا مجموعہ ہے، دوسری یہ کہ بعض تذکرون میں اسکی وضاحت تو نہیں لیکن انھون نے عنوانِ رومی اور ذکر رومی کے تحت مثالاً چند شعر لکھدیے ہین، ہمنے یہ اشعار دواوین سے منتخب کرکے بالمقابل درج کر دیے یہ بھی ہمارے دعوی کی ایک خاص دلیل تھی، لیکن یہ شعرا اور اولیا کے عام تذکرے تھے، اب ہم مولینا روم کے خاص حالات کی طرف متوجہ ہوتے ہین جو انھی کے وابستگان دامنِ سعادت نے لکھے ہین، انمیں کہیں اس نوعیت کا بیان تو نہیں ہو کہ مولینا نے اشعار حضرت شمس کے نام سے لکھے ہیں، کیونکہ یہ دراصل واقعہ ہی نہ تھا مولینا شمس کے نام سے نہیں لکھتے تھے، بلکہ حضرت شمس کا ذکر مختلف طریقون سے کرتے تھے، اور انکے اسرار کی ترجمانی فرماتے تھے، اسکے علاوہ دیگر شعرا کی طرح غزل میں اپنا تخلص لکھنے کا کوئی خیال تھا نہ اہتمام، صرف انھی اسباب سے یہ کلام بعد میں حضرت شمس کی طرف منسوب ہو گیا اور دیوان جو بعد کو مرتب ہوا، اور مدت دراز کے بعد طبع ہوا دیوان شمس تبریز کے نام سے شائع ہوا، اور غلط فہمی بھی عام ہوئی البتہ ان تذکرہ نویسون نے مولینا کی غزل گوئی کا تذکرہ خوب کیا ہے اور کثرت سے

اپنے تذکرہ میں مولانا کی مثنوی اور غزلیات کے اشعار درج کئے ہین آگے چل کر ہم ان اہم تذکرون کے اشعار ذیل میں درج کرین گے، اور انکے مقابل دیوان کے اشعار لکھدین گے جس سے صاف ظاہر ہوجائے گا کہ دیوان شمس تبریز مولینائے روم کے اشعار ہی کا مجموعہ ہے،

دو خاص دلائل، ہمنے ابھی بیان کیا کہ اس بحث کے متعلق ان تذکروں میں کوئی واضح بیان نہیں، ان اہل صحبت تذکرہ نویسون کا اس مسئلہ میں خاموش ہونا ہی اس دعوی کی ایک ضمنی شہادت ہے کہ اس عہد میں یہ خطرہ ہی محسوس نہ ہوا تھا کہ کبھی یہ کلام حضرت شمس کا سمجھا جائیگا، کیونکہ وہ صاف دیکھتے تھے کہ اسمیں تو حضرت شمس کی مدح اور انکا مخلصانہ تذکرہ ہے اگر ایسا ہوتا تو وہ ضرور تشریح کرتے کہ یہ دیوان شمس کا نہیں بلکہ مولینا کا ہے، وہ مولینا کے دیوان کو مولینا ہی کا سمجھتے رہے، اور کوئی دوسرا وہم انکے سامنے نہ تھا،

دوسرا پہلو خاص توجہ کا مستحق ہے وہ یہ ہے کہ افلاکی سپہ سالار اور سلطان ولد وغیرہ نے اپنے اپنے تذکرون اور کتابون میں مولینائے روم اور ان سے متعلق بزرگان دین کے احوال تفصیل سے لکھے ہین ان لوگون نے نہ صرف انکے حالات بلکہ مناقب ومدارج بھی بیان کئے ہین،

انہیں جو شعرا تھے انکے مشغلہ شعر کا ذکر کیا ہے چنانچہ مولینائے روم اور سلطان ولد کے حال میں انکی شاعری کا تفصیلی ذکر ہے ان کے ہر قسم کے اشعار موقع بموقع درج کئے ہین اسی طرح شمس کا بھی حال لکھا ہے اور ایک مستقل باب باندھا ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ان مین سے کسی نے حضرت شمس رح کی شاعری کا ذکر تک نہین کیا، حالانکہ تذکرہ نویسون میں سلطان ولد اور سپہ سالار بھی ہیں جو حضرت شمس کے دیکھنے والے انکے حالات سے واقف اور انکے معتقد اور کمالات کے معترف ہیں، اگر حضرت شمس شاعر ہوتے تو وہ ضرور اسکا تذکرہ کرتے اور جیسے اونھون نے دوسروں کے حالات میں کیا ہے انکے اشعار درج کرتے یہ ممکن نہیں کہ شمس اسقدر پرگو شاعر ہون جیسے دیوان سے ظاہر ہوتا ہے، اور خاص معتقد تذکرہ نویس اسکا ذکر تک نہ کرین اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت شمس شاعر ہی نہ تھے اور انکا کوئی کلام نہ تھا، جو کلام ان کی طرف منسوب ہوگیا ہے وہ مولینائے روم ہی کا ہے کیونکہ انکے اشعار مختلف طور پر تذکرون مین ہین، جو دیوان شمس تبریز میں بھی ملتے ہین،

لہ مناقب العارفین کہ سپہ سالار ذکر خلفا حضرت شمس،

مناقب العارفین کی شہادت۔ اس سلسلہ کو ہم مناقب العارفین[1] (۷۵۴ھ) سے شروع کرتے ہیں، اسکے مصنف شمس الدین افلاکی ہیں، جو دو واسطون سے مولانا کے سلسلہ میں شامل ہوتے ہیں، یعنی یہ چلپی عارف کے مرید اور مولانائے روم کے دیکھنے والے اور صحبت یافتہ ہین، سنہ تالیف ۷۵۴ھ ہے، افلاکی نے اس تذکرہ مین مختلف مواقع پر مولینا کے اشعار لکھے ہین بعض مقامات پر اسکی صراحت ہی، اور بعض مقامات پر اشعار کی تصریح درج ہی، اشعار مثنوی کے بھی ہین، اور غزلیات کے بھی مثلاً مثنوی کے اشعار یہ ہین،

از خدا خواہیم توفیقِ ادب، بے ادب محروم گشت از فضلِ رب

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد، بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد،

لکھتے ہین،:۔

"روزے در معنی این بیت معرفت می فرمود"

چون چنین خواہد خدا خواہد چنیں، می دہد حق آرزوے متقین،

ہمنشین مقبلان چو کیمیاست، چون نظر شان کیمیائی خود کجاست

آن دلے کز آسمانہا برتر است، آن دلے ابدال یا پیغمبر است،

مسجدے کان در درونِ اولیاست، سجدہ گاہے جملہ است آنجا خداست

دست را مسپار جز در دستِ پیر، حق شدست آن دست او را سخت گیر

ہر کہ اندر عشق یابد زندگی، کفر باشد پیش او جز بندگی،

گر نہ بودی نوح را از حق یدی، او جہانے را چرا برہم زدی،

معنی قرآن ز قرآن پرس بس، وز کس کاتش زدست اندر ہوس

گرچہ قرآن از لبِ پیغمبر است، ہر کہ گوید حق نہ گفت او کافر است

[1] مناقب العارفین سنہ تالیف ۷۵۴ھ،

خاصہ آن آواز از خود شہ بود، گرچہ از حلقوم عبداللہ بود،

نے حدیثِ راہِ پر خون می کند قصہ ہائے درد مجنون می کند،

باکہ گویم چون ندارد گوش جان بہر گوش است اے امیر این خوش بیان

من شدم عریان ز من او از خیال می خرامم در نہایات الوصال

ہر کہ اندر وجہ ما او باشد فنا کل شئ ہالک نبود جزا،

(ص ۳۰۲)

اسی طرح مختلف مقامات پر غزلیات کے اشعار بھی لکھے ہین، ذیل مین ایک طرف یہ اشعار مع تصریح محل بیان تذکرہ سے درج کئے جاتے ہین، اس کے مقابل دیوان سے اشعار لکھے جاتے ہین جس سے صاف طور پر اس امر کی شہادت ملجائے گی، کہ دیوان شمس تبریز مولینا کا کلام ہو، نسخون[1] کے اختلاف کو بھی نمایان کر دیا گیا ہے،

مناقب العارفین[2]	دیوان شمس تبریز
جز و درویشند جملہ نیک و بد،	جز و درویشند جملہ نیک و بد،
(م ص۱۱۱) ہر کہ نبود او چنین درویش نیست	گر نباشد این چنین درویش نیست
	(کلیات شمس تبریز مطبع نولکشور ص۱۵۹)
م ہیچ می دانی چہ می گوید رباب،	ہیچ می دانی چہ می گوید رباب،
(م ق ص۱۱۳) ز اشک چشم و در جگر ہائے کباب،	ز اشک چشم وز جگر ہائے کباب،
	(دیوان شمس تبریز مطبوعہ لکھنو ص۴۲)

[1] ن سے مراد نسخون کا اختلاف ہے، بعض جگہ یہ اختلاف نسخون کا نہیں، بلکہ کتابت اور خرابی طباعت سے پیدا ہو گیا ہے، [2] تذکرہ مناقب کے بھی کئی نسخے میرے پیش نظر ہے، اور یہ سب کتبخانہ آصفیہ کے ہین،

صاحبِ مناقب[1] لکھتے ہیں کہ مجلس سماع میں مولینا نے یہ غزل پڑھی،

مرا اگر تو ندانی بہ پرس از شبہا   چو عشق را تو ندانی بہ پرس از شبہا

ق م ص۱۲۳ بپرس از رخِ زرد و زخشکیِ لبہا   بپرس از رخ زرد و زخشکیِ لبہا (ک ۸۸)

ایک رات مولینا نے شیخ بدر الدین تبریزی کیمیا ساز کو ہدایت فرمائی کہ کوشش کرو کہ وجود کا تانبا سونا ہو جائے، بلکہ گوہر اور وہ بھی با عظمت! پھر یہ شعر پڑھا،

عیسی مست را زر کند ور زر بود گوہر کند   عیسی مست را زر کند ور زر بود گوہر کند

گوہر بود بہتر کند بہتر ز ماہ و مشتری   گوہر بود بہتر کند بہتر ز ماہ و مشتری

(م ق ص ۱۳۰)   (ک ۸۶۸)

بزیر عشق مرا گفت من ہمہ نازم،   بزیر عشق مرا گفت من ہمہ نازم

ہمہ نیاز شو آن لحظۂ کہ ناز کنم،   ہمہ نیاز شو آن لحظۂ کہ ناز کنم،

چون ناز را بگذاری ہمہ نیاز شوی   چون ناز را بگذاری ہمہ نیاز شوی

من از برای تو خود را ہمہ نیاز کنم   من از برای تو خود را ہمہ نیاز کنم

(م ص ۱۲۱)   (ک ۵۷۰)

(بقیہ حاشیہ ص ۲) ایک قلمی نسخہ ہے، ایک اردو ترجمۂ مناقب بھی ہے، ایک آگرہ کا مطبوعہ فارسی نسخہ ہے، میں نے اشعار زیادہ تر اسی آخری فارسی نسخے سے منتخب کئے ہیں لیکن ابتدا میں چند اشعار قلمی نسخہ اور ترجمہ سے بھی لئے گئے ہین، چونکہ اشعار کے متعلق ماخذ کا حوالہ دینا ضروری ہے اسلئے ہر جگہ نام کا تفصیلی اندراج طولِ عمل ہے، اسوجہ سے میں نے خاص نشانات سے کام لیا ہے جسے یہاں درج کئے دیتا ہوں، "ق م" سے مراد قلمی نسخۂ مناقب ہے، اور صرف "م" سے مراد مناقب فارسی مطبوعہ نسخہ آگرہ ہے، سنہ طباعت ۱۸۹۶ء اسی طرح مقابل میں "د" سے مراد دیوان شمس تبریز مطبوعہ لکھنؤ ہے، اور "ک" سے مراد کلیات شمس تبریزیہ نسخۂ مطبوعہ منشی نولکشور ہے، "ص" سے مراد صفحہ ہے، انکے علاوہ اور نسخوں سے اشعار لئے گئے ہیں، تو ان کا تفصیلی حال درج کر دیا جائے گا،

[1] اشعار کے محلِ وقوع کے متعلق سارے تشریحات مناقب ہی سے لئے گئے ہین،

ما قصر چار طاق درین عرصۂ فنا،	ما قصر چار طاق دریں عرصۂ فنا،
چون عاد چون ثمود مقرس نمی کنم،	چون عاد چون ثمود مقرس نمی کنم،
جز صد رو قصر عشق دران ساحت خلود	جز صد رو قصر عشق دران ساحت خلود
چون نوح چون خلیل موسس نمی کنم	چون نوح چون خلیل موسس نمیکنم
(م ص ۱۴۳)	(ک ۵۶۶)

ایک خادم نے عرض کی کہ عجیب بات ہے کہ اس روز آپ باجو خان کے لشکر سے نہیں ڈرے' فرمایا' خداوندگار ما رسول اللہ علیہ وسلم پہلوان عظیم بودہ است .... پھر یہ قصیدہ پڑھا،

مناقب العارفین	دیوان شمس تبریز
من این ایوان نہ تو رانمیدانم،	من آن افلاکؔ نہ تو رانمیدانم
من این نقاش جادو رانمیدانم'	من این نقاش جادو رانمیدانم
بدستم بر بقے آمد ازان خان ہمہ خانان	بدستم بر بقے آمد ازان خان ہمہ خانان
من این ماجود باتو رانمیدانم	کہ من خود خان بجز او رانمیدانم
(م ص ۱۵۶)	(د ص ۱۳۳،۱۳۲)

اہم روایت، "اصحاب عظام روایت کردند کہ ملک شمس الدین ملک ملک شیراز بود رقعہ بخدمت اعذب الکلام شیخ سعدی علیہ الرحمۃ والغفران اصدار کردہ استدعا نمودہ کہ غزلے غریب کہ محتوی بر معانی عجیب باشد، ازان ہر یک کہ باشد بفرستی تا غذائے جان خود سازم شیخ سعدی غزل نو ازان حضرت مولینا کہ دران ایام بشیراز بردہ بودند و خلق بکلی ربودہ آن شدہ بنوشت و ارسال کرد، و آن غزل اینست"،

ہر نفس آواز عشق میرسد از چپ و راست	ہر نفس آواز عشق می رسد از چپ و راست

مابفلک می رویم عزم تماشا کراست	مابفلک می رویم عزم تماشا کراست
مابفلک بوده ایم یار ملک بوده ایم	مابفلک بوده ایم یار ملک بوده ایم
باز همانجا رویم که آن شہر ماست	باز همانجا رویم که آن شہر ماست
ما ز فلک برتریم وز ملک افزون تریم	خود ز فلک برتریم وز ملک افزون تریم
زین دو چرا نه گذریم منزلِ ما کبریاست	زین دو چرا نه گذریم منزلِ ما کبریاست
(الی آخره ص ۱۵۰-۱۵۹)	(دیوان ص ۹۲ مطبوعہ ۱۳۲۶ھ)

شبے بہ فخر النسا (ان کا ارادہ حج کا تھا) فرمود کہ باین نگاہ کن کہ مقصود حاصل شدہ است.... می بیند کہ کعبۂ معظم بر بالائے مولانا طواف می کند.... فخر النسا شہقہ بزد چون بہوش آمد.... ہمانا حضرت مولانا این غزل را از سر نو آغاز فرمود"

کعبہ طواف می کند بر سرِ کوئے یک بتے	کعبہ طواف می کند بر سرِ کوئے یک بتے
این چہ بتے ست ایخدا این چہ بلا و آفتے	این چہ بتے ست اے خدا این چہ بلا و آفتے
ماہ درست پیشِ او قرص شکستہ بستہ	ماہ درست پیشِ او قرص شکستہ بستہ
بر شکرش نباتہا چون مگسے ست زحمتے	بر شکرش نباتہا چون مگسے ست زحمتے
جملہ ملوک راہ دین جملہ ملائکِ امین	جملہ ملوک راہ دین جملہ ملائکِ امین
سجدہ کنان کہ اے صنم بہر خدا اے رحمتے	سجدہ کنان کہ اے صنم بہر خدا اے رحمتے
اہلِ ہزار بحر و کف گوہر عشق را صدف	اہلِ ہزار بحر و کف گوہر عشق را صدف
زان سوے عزت و شرف سخت بلند ہمتے	زان سوے عزت و شرف سخت بلند ہمتے
اے تبریز مرحمت شمس ہزار مکرمت	اے تبریز مرحمت شمس ہزار مکرمت
گشتہ سخن بسو صفت پر نم بے نہایتے	گشتہ سخن بسو صفت پر نم بے نہایتے
(ہ ص ۱۴۱)	(ک ۹ ۸۸۴-۸۸۵)

اہم تنبیہ، | مولینا کی غزلیات کے متعلق غلط فہمی کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہو کہ اکثر غزلوں کے آخر میں عام طریقہ کے مطابق مولینا کا تخلص نہیں ہوتا، بلکہ اکثر شمس کا نام ہوتا ہے، لیکن یہ شبہہ اس غزل کو دیکھ کر بالکل رفع ہو جاتا ہے، کیونکہ اس غزل کے مقطع میں بھی مولینا کا تخلص نہیں، بلکہ حضرت شمس ہی کا نام نامی ہے، لیکن ان کی مدح میں یہی حال دیوان کی اور غزلوں کا بھی ہے، لیکن صاحب تذکرہ نے تمہیداً تصریح کردی ہے، کہ یہ غزل مولینا کی ہے، اور وہ کس موقع پر پڑھی گئی، اور کس طرح اس موقع پر فی البدیہہ کہی گئی، اس کی اور مثالیں ہیں، دیوان دیکھو تو اس میں بھی یہی رنگ ہو جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں، کہ مقطع غزل میں شمس کا نام ہونیکے باعث اس امر میں شبہہ نہ کرنا چاہیے کہ وہ مولینا کا کلام نہیں،

لکھا ہے کہ ایک موقع پر اہل ارادت ساتھ تھے، مولینا کے طفیل ان پر پتھر جو ذکر تسبیح کرتے ہیں (سبوح قدوس) اسکا انکشاف ہوا، مولانا نے یہ غزل فرمائی، (م ۲۲۲)

مناقب العارفین	دیوان
دل چو دانہ، ما مثال آسیا،	دل چو دانہ، ما مثال آسیا،
آسیا کے داند این گردش چرا،	آسیا کے داند ایں گردش چرا،
تن چو سنگ و آب او اندشیا	تن چو سنگ و آب او اندشیا،
سنگ گوید آب داند ماجرا	سنگ گوید آب داند ماجرا
ماجرا بسیار خواہد شد خموش	ماجرا بسیار خواہد شد خموش،
از خدا وا پرس تا گوید ترا،	از خدا وا پرس تا گوید ترا،
(م ص ۲۲۲)	(ک ،،)

افلاکی ایک دن کا حال لکھتے ہیں، "از پئے سماع شد و این غزل از سر آغاز کرد، و گفت" (م ۲۵۱)

گر حریف منی پس بگو کہ درش چہ بود   گر حریف منی پس بگو کہ درش چہ بود،

میانِ این دل وآن یارِ مے فروش چہ بود
اگر بچشم بدیدی جمالِ ماہِ مہروش
مرا بگو کہ دران حلقہائے گوش چہ بود
اگرتو با من ہم خرقہ و ہم رازی
بگو کہ صورتِ آن شیخ خرقہ پوش چہ بود
اگر فقیری و ناگفتہ رازمی شنوی
بگو اشارتِ آن ناطقِ خموش چہ بود

(م ص ۲۵۲)

میان این دل وآن یارِ مے فروش چہ بود
اگر بچشم بدیدی جمالِ آن مہروش
مرا بگو کہ دران حلقہائے گوش چہ بود
وگر تو با من ہم خرقہ و ہم رازی
بگو کہ صورتِ آن شیخ خرقہ پوش چہ بود
اگر فقیری و ناگفتہ رازمی شنوی
بگو اشارتِ آن ناطقِ خموش چہ بود

(ک ۳۱۹)

مولینا ہمین غزل را از سر آغاز فرمود،

صلا یا ایہا العشاق کان مہ رو بکار آمد
میان بندید عشرت را کہ یار اندر کنار آمد

(م ص ۲۹۳)

صلا یا ایہا العشاق کان مہ رو نگار آمد
میاں بندید عشرت را کہ یار اندر کنار آمد

(ک ۳۰۶)

افلاکی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مولانا نے ایک ہفتہ چلّہ کشی فرمائی اسکے بعد احوالِ دل کی ترجمانی فرمانے لگے، "از خزینۂ دل اسرار و معانی فرمودن گرفت و این غزل را از سر آغاز کرد":

باز آمدم باز آمدم تا وقت را میمون کنم
باز آمدم باز آمدم تا در دِ عشق افزون کنم
باز آمدم باز آمدم تا بہر بیمارانِ دل
از اشک چشم و آہ شب و از خون دل معجون کنم
باز آمدم باز آمدم تا سوز درد و عشق را

باز آمدم باز آمدم تا وقت را میموں کنم
باز آمدم باز آمدم تا در دِ عشق افزوں کنم
باز آمدم باز آمدم تا بہر بیمارانِ دل
از اشک چشم و آہ شب و از خونِ دل معجوں کنم
باز آمدم باز آمدم تا سوز و درد عشق را

در گوشہائے دل نہم در گنج سرمد خون کنم	در گوشہائے دل نہم در گنج سرمد خون کنم
(م ص ۱۹۸)	(دیوان شمس تبریز ص ۱۹۸)

ایک روز پروانہ کے مکان پر سماع کی محفل تھی معین الدین پروانہ کچھ دیر آرام کی خاطر سو گئے حضرت مولینا بیتاب تھے،

حضرت مولانا درحالت چرخی کہ چرخۂ افلاک حیران چناں چرخ گشتہ بود، غزل از سر آغاز فرمود و گفت۔ (م ۲۲، ۳۶۸ - ۳۶۸)

گر نہ خسپے تبکے جان چہ شود،	گر نہ خسپے شبکے جان چہ شود،
ور بکوبی در ہجران چہ شود،	ور بکوبی در ہجران چہ شود،
ور نیاری شبکے روز آری،	ور بیاری شبکے روز آری،
از برائے دل یاران چہ شود	از برائے دل یاران چہ شود،
ور سلیماں سوے موران آمد	ور سلیماں سوے موران آمد،
تا شود مور سلیمان چہ شود،	تا شود مور سلیماں چہ شود،
ور دو دیدہ ترا روشن گردد،	ور دو دیدہ بتو روشن گردد،
کوریٔ دیدۂ شیطان چہ شود،	کوری دیدۂ شیطاں چہ شود،
(م ۲۲، ۳۲۸-۳۲۸)	(ک ۲۹۶)

افلاکی حالت مرگ کے قریب کا حال لکھتے ہیں، کہ "حضرت مولینا این غزل را از سر آغاز کردہ میگفت و جمیع اصحاب جامہ دران نعرہ زنان فریاد می کردند،

چہ دانی تو کہ در باطن چہ شاہی ہمنشیں دارم	چہ دانی تو کہ در باطن چہ شاہی ہمنشیں دارم
رخ زرین من منگر کہ پائے آہنین دارم	رخ زرین من منگر کہ پائے آہنین دارم (باقی)
(ہ ۳۴۹)	(ک ص ۲۳۲)

ایک اور اہم روایت
اور
سپہ سالار کی شہادت

ایک اہم روایت | ایک اہم روایت ملاحظہ ہو:-

"روزے مولانا فرمود کہ علمائے ظاہر واقف اخبار رسول اند، وحضرت مولینا شمس الدین واقف اسرار رسول است"

شمس تبریزی توئی واقفِ اسرار رسول — شمس تبریزی توئی واقفِ اسرارِ رسول
نامِ شیریں تو ہر دل شدہ را درمان باد — نامِ شیریں تو در وجہ را درمان باد

اس شعر میں بھی خصوصیت یہ ہے، کہ حضرت شمس کا نام ہے لیکن بطرز خطاب، ایسا بھی ہوتا ہے کہ شاعر کبھی غیر فرض کرکے اپنے آپکو بھی مخاطب کرتا ہے، جسکو صنعت تجرید کہتے ہیں، لیکن یہاں صورتِ حال ایسی نہیں ہے، کیونکہ تصریح موجود ہے کہ مولانا نے ایک دن حضرت شمس کی فضیلت ظاہر کرنیکے لئے یہ شعر فرمایا، ایسے ہی کثیر اشعار دیوان میں ہیں جنمیں حضرت شمس کو مختلف طریقہ سے مخاطب کیا گیا ہے، ان سے یہ سمجھنا کہ یہ حضرت شمس ہی کی شاعرانہ تعلی ہے، غلط ہے، پہلے تو ان کی نوعیت ہی ایسی نہیں، کیونکہ ان اشعار میں مدح کی نوعیت ایسی ہے، جیسے کوئی دوسرا اپنے انتہا معتقد مدح کرتا ہے، دوسرے اشعار اس کثرت سے ہیں، کہ صرف شاعرانہ تعلی کے تحت کوئی شاعر اپنی مدح اس کثرت سے نہیں کرتا،

جب تذکرہ کا شعر دیوان میں بھی ملتا ہے، تو اس امر کی ایک قوی دلیل پیش نظر ہوگئی ہے؛ کہ دیوان شمس تبریز مولینائے روم کے کلام کا مجموعہ ہے،

مناقب کے صفحہ ۲،۳ پر ہے :-

ریگ زآب سیر شد من نہ شدم زہے زہے
لائق جز گمانِ من نیست درین جہان ہے
کوہ کمینہ لقمہ ام بحر کمینہ شربتم
من چہ نہنگم اے خدا باز کشا مرا رہے

(ک ۔ ۲۵۲)

رسالہ سپہ سالار کی شہادت، اس نوعیت کی دوسری شہادت رسالہ سپہ سالار میں ملتی ہے، رسالہ سپہ سالار مولینا کے حالات کا اصلی اور صحیح ماخذ ہے، حضرت فریدونؒ معروف بہ سپہ سالار مولینا کی صحبت میں چالیس برس تک رہے، اعتقاد و ارادت بیحد رکھتے تھے، انہی کا بیان ہے " خلاصۂ عمر خود را بہ ملازمتِ حضرت او مستغرق داشتم و نقشِ مہر و محبتش را کالنقش فی الحجر بہ صحیفۂ دل خویش نگاشتم" اسلئے وہ لازماً کے محرم راز اور واقفِ اسرار تھے اونھوں نے مولینا کے وصال مبارک کے بعد طالبانِ حال کے لئے یہ رسالہ لکھا تھا، رسالہ شہرۂ آفاق ہے، مولینا کے مداح اور مناقب میں اسے عدیم النظیر اور فقید المثال سمجھا جاتا ہے، اس کے متعلق لکھا ہے،

" از تصانیف لطیفہ[۱] ...... سیدی فریدون معروف بہ سپہ سالار قدس سرہ کہ از مخلص مریدان کاشفِ اسرار ازلی و شارح رموز ابدی حضرت مولوی معنوی رضی اللہ عنہ ہستند و چہل سالہ شبانہ روز در سفر و حضر و خلوت و جلوت پیوستہ ملازم صحبتِ کیمیا خاصیت حضرت مولینا روح اللہ تعالیٰ روحہ ماندہ و خدمتہا کردہ و فیضہا بردہ، و مورد مراحم خاصہ و توجہات تامہ گشتہ و واقفِ اسرار و محرم راز بودہ اند، انچہ از انفاس قدسی، و کلمات و طیبات و حالات سامیہ و کوائف عالیہ و کرامات باہرہ در آیات ظاہرہ حضرت معنوی علیہ الرحمۃ و الرضوان

[۱] سپہ سالار ص۴ کتبخانہ کلیہ جامعہ عثمانیہ، [۲] رسالہ سپہ سالار مطبوعہ محمود المطابع واقع کانپور مطبوعہ ۱۳۱۹ھ

بگوش خود از زبان مبارکش شنیده و بلا واسطہ استفاضہ نمودہ و بچشم خود دیدہ و مشاہدہ کردہ و معاینہ نمودہ در سلک تحریر درآوردہ اند، و بر شقہ تصویر سفینہ درین رسالہ جمع فرمودہ اند"

سپہ سالار کا بیان ہے کہ مولانا کے ایک مرید خاص نے اس کی تحریک کی، اسی بنا پر انھون نے چشم یقین کے مشاہدات کو قلمبند کیا"بنا بر التماس آن عزیز ہرچہ این ضعیف بعین الیقین مشاہدہ کردہ باشد و در ایام این ضعیف ازان حضرت بوجود آمدہ، از آنچہ در گوشہ خاطرم ماندہ بود، در قلم آورد، (بیت)

درویش سخن از دیدہ گوید، عامے سخن از شنیدہ گوید"

افلاکی کی طرح سپہ سالار کی بھی یہی عادت ہے، کہ انھون نے بکثرت مولینا کی مثنوی اور دیوان سے مختلف مقامات پر اشعار لکھے ہین، لیکن ان کی خصوصیت یہ ہے کہ تقریبًا ہر جگہ انھون نے تصریح کر دی ہے، ہم سپہ سالار اور دیوان کے منتخب اشعار بالمقابل درج کرین گے، تاکہ اس دعوی کے ثبوت مین شک کی کوئی گنجایش باقی نہ رہے، کہ دیوان شمس تبریز مولانائے روم کا کلام ہے، البتہ کثرت تکرار کے باعث تصریحات سوائے ضروری مقامات کے اور مقامات پر حذف کر دیئے جائین گے،

مثنوی کے مندرجہ اشعار مین سے چند شعر یہ ہین،

حضرت خداوندگار[2] سامی فرماید،

در پناہ جان جان بخشی توئی، خفتہ اندر کشتی و راہ میروی،
مگسل از پیغمبر ایام خویش، تکیہ کم کن بر فن و بر گام خویش،
چونکہ موسی رونق دور تو دید، کاندرو صبح تجلی می دمید،

[1] سپہ سالار ص ۲ محمود المطابع کتبخانہ کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن، [2] حضرت سپہ سالار اپنے مرشد طریق مولینا روم رحمۃ اللہ علیہ کو اکثر "خداوندگار" کے لقب سے یاد کرتے ہین، چنانچہ مولینا کے حالات مین جو فصل ہے اسکا عنوان یہ ہے "فصل اول در ذکر تاریخ ولادت و مدت عمر قدس اللہ العزیز کہ حضرت خداوندگار سلطان الاولیا در شہور سنہ اربع وستمائۃ ہجری قدم مبارک در عالم وجود نہاد"

ہر کرا اسرارِ کار آموختند — محو کردند و زبانش دوختند

غزلیات کے اشعار درج ذیل ہیں :۔

سپہ سالار مولانا کے متعلق لکھتے ہیں " بزبانِ خویش صفتِ حالِ خود بیان میفرماید "

رسالہ سپہ سالار	دیوان
بدان کہ پیر سراسر صفاتِ حق باشد	بدان کہ پیر سراسر صفاتِ حق باشد
اگرچہ پیر نماید بصورتِ بشری	اگرچہ پیر نماید بصورتِ بشری
(ص۲ سپہ سالار)	(کلیاتِ[1] شمس تبریز ص۹۶)
جانِ من و جانِ ترا پیش ازین،	جانِ من و جانِ ترا پیش ازین،
سابقۂ بود کہ گشت آشنا،	سابقۂ بد کہ شدند آشنا،
الفت امروز ازاں سابقہ است	الفت امروز ازان سابقہ است،
گرچہ فراموش شد آنہا ترا،	گرچہ فراموش شد آنہا ترا
(ص ۵)	(دیوانِ شمس تبریز لکھنؤ نسخہ ذاتی ص۲۴)

حضرت خداوندگار میفرماید،

اے اولیائے حق را از حق جدا شمردہ	اے اولیائے حق را از حق جدا شمردہ
گر ظن نیک داری بر اولیا چہ باشد	گر ظن نیک داری بر اولیا چہ باشد
(ص ۱۵)	(ک ۳۱۴)
یک حملۂ مردانہ مستانہ بہ کردیم	یک حملۂ مردانہ مستانہ بہ کردیم،

[1] ک سے مراد کلیات شمس تبریز مطبوعہ منشی نولکشور کتب خانہ جامعہ عثمانیہ ہو گی، (د) سے مراد دیوان شمس تبریز مطبوعہ منشی نولکشور ۱۹۱۴ء،

تا علم بدادیم بہ معلوم رسیدیم	تا علم بدادیم و بہ معلوم رسیدیم
با آیت کرسی سوئی عرش پریدیم	با آیتِ کرسی سوے عرش پریدیم،
(ص۱۱۱) تاج بدیدیم و بقیوم رسیدیم	تاج بدیدیم و بقیوم رسیدیم، (د۔ ص۲۰۴)
ندارد پائے عشق او دل بے دست و بے پایم	ندارد تابِ عشق اُو دل بے دست و بے پایم
کہ روز و شب چو مجنونم سر زنجیری خایم	کہ روز و شب چو مجنونم سر زنجیری خایم،
میانِ خونم و ترسم کہ گر آید خیالِ او	میان خونم و ترسم کہ گر آید خیالِ او
بخون دل خیالش را زبیخویشی بیالایم	بخون دل خیالش را زبیخویشی بیالایم
زشبہائے من حیران بپرس از لشکر پریان	زشبہائے من حیران بپرس از لشکر پریان
کہ در ظلمت در آمد شد پریرا پائی میسایم	کہ در ظلمت در آمد شد پریرا پائی میسایم
ہمی گردد دل پارہ ہمہ شب ہمچو استارہ	ہمی گردد دل پارہ ہمہ شب ہمچو استارہ
شدہ خوابِ من آوارہ زسحر یار خودرایم	شدہ خوابِ من آوارہ زسحر یار خودرایم
رہا کن تا چو خورشیدی قبائے پوشم از آتش	رہا کن تا چو خورشیدی قبائے پوشم از آتش
دران آتش چو خورشیدی جہانے را بیارایم	دران آتش چو خورشیدی جہانے را بیارایم
اگر یکدم بیاسایم روانِ من نیاساید	اگر یکدم بیاسایم روان من نیاساید
(ص۵) من آن لحظہ بیاسایم کہ یک لحظہ نیاسایم	من آن لحظہ بیاسایم کہ یک لحظہ نیاسایم (ک ۲۶۵)

در محل دیگر از بیان این حال اشارت می فرماید، قدس سرہ العزیز،

ہمہ خفتند و من دل شدہ را خواب نبرد	ہمہ خفتند و من دل شدہ را خواب نبرد

لہ مناقب اور سپہ سالار میں نہ صرف مولینا کے چیدہ چیدہ اشعار ہیں، جو دیوان شمس تبریز میں ملتے ہیں، بلکہ بعض پوری پوری غزلیں ہیں، اور بعض کسی غزل کے کئی کئی اشعار ہیں،

ہمہ شب دیدۂ من بر فلک استارہ شمرد
خوابم از دیدہ چناں رفت کہ ہرگز ناید
(مثال) خوابِ من زہر فراق تو بنوشید و بمرد

ہمہ شب دیدۂ من بر فلک استارہ شمرد
خوابم از دیدہ چناں رفت کہ ہرگز ناید
خوابِ من زہر فراق تو بنوشید بمرد (ک ۲۶۶)

کلیات شمس میں اس غزل کا مقطع یہ ہے:۔

شمس تبریز کہ خورشید معانی گویم
معنی و صورتِ ما او بظہوری آورد

سپہ سالار کے بیان اور ان کے درج کیے ہوئے اشعار سے صاف ظاہر ہے، کہ یہ غزل مولینا روم کی ہے۔ "دیوان شمس" کو شمس تبریز کا کلام سمجھنے کی ایک بڑی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ مقطعوں میں مولینا کا نام آتا ہے، لیکن سپہ سالار کی اس مثال اور کلیات میں غزل کے اس مقطع سے ظاہر ہو گیا کہ ہمکو اس بنا پر ایسا سمجھنا چاہیئے بلکہ یہ امر پوری قوت سے ثابت ہوتا ہے، کہ دیوان شمس تبریز مولینا روم کی غزلیات کا مجموعہ ہے، اگرچہ سپہ سالار نے تصریح نہیں کی، لیکن بعض سوانح نگاروں نے لکھا ہے، کہ ایک رات مولینا غلبہ حال سے آرام نہ فرما سکے، اس موقع پر یہ غزل فرمائی،

دیدہ خون گشت و خون نمی خسپد،
دلِ من از جنون نمی خسپد،
مرغ و ماہی ز من شدہ حیران،
کین شب و روز چون نمی خسپد
پیش ازیں در عجب ہمی بودم،
کاسمانِ نگون نمی خسپد،
آسمان خود کنون ز من خیرہ است
کہ چرا این زبون نمی خسپد

دیدہ خون گشت و خون نمی خسپد،
دلِ من از جنون نمی خسپد،
مرغ و ماہی ز من شدہ حیران،
کین شب و روز چون نمی خسپد
پیش ازین در عجب ہمی بودم،
کاسمانِ نگون نمی خسپد،
این فلک خود کنون ز من خیرہ است
کہ چرا این زبون نمی خسپد،

عشق بر من فسون اعظم خواند،	عشق بر من فسون اعظم خواند،
جان شنید آن فسون نمی خسپد	جان شنید آن فسون نمی خسپد
این یقینم شده است پیش از مرگ	این یقینم شده است پیش از مرگ
کز بدن جان برون نمی خسپد	کز بدن جان برون نمی خسپد
ہین خمش کن باصل راجع شو	ہین خمش کن باصل راجع شو
(م۱۵) دیدهٔ راجعون نمی خسپد،	دیدهٔ راجعون نمی خسپد، (د-ص۱۱)

دیوان میں اس غزل کا مقطع یہ ہے :-

از قضاہائے شمس تبریزی	ذوفن ذوفنون نمی خسپد،

ایک اہم بحث، | بعض غزلون کے مقطعون میں تو حضرت شمس کا نام اس مداحانہ طرز میں آتا ہے، کہ صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شمس کا کلام نہیں، جیسا ہم نے اس سے پہلے کی مثال میں بحث کی ہے لیکن بعض غزلون میں ایسی حالت نہیں ہے، اس سے دھوکا ہو سکتا ہے، کہ شاید ایسی غزلین شمس تبریزی کی ہون، لیکن یہ شبہہ بھی جاتا رہتا ہے، کہ اس غزل کے مقطع میں شمس کا نام کسی خاص واضح تعریفی انداز یا الفاظ میں نہیں لیا گیا، اور سپہ سالار کے رسالہ سے یہ حقیقت نمایان ہے، کہ یہ غزل مولینا روم کی ہے، جب یہ اشعار بجنسہ دیوان شمس تبریز میں ملتے ہین، تو ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہین کہ دیوان شمس تبریز مولینائے روم کے کلام کا مجموعہ ہے،

بوئے ہمیں آید مرا مانا نکہ باشد یار من	بوئے ہمیں آید مرا مانا نکہ باشد یار من
بر باد من پیمود می آن با وفا خمار من	بر باد من پیمود می آن با وفا خمار من
کے یاد من رفت از دلش ای در دل و جان منزلش	کے یاد من رفت از دلش ای در دل و جان منزلش
ہر لحظہ معجونے کند بہر دل بیمار من	ہر لحظہ معجونے کند بہر دل بیمار من

سپہ سالار	دیوان
کہ نعرۂ یا بانگئے اندر خود سودائے من	کو نعرۂ یا بانگئے اندر خود سودائے من
کو آفتابی یا مہی مانندۂ انوار من	کو آفتابی یا مہی مانندۂ انوار من
امشب درین گفتارہا رمزے ازان اسرارہا	امشب دریں اسرارہا رمزے ازین اسرارہا
در پیش بیداران ہند آن دولت بیدار من	در پیش بیداران ہند آن دولت بیدار من
آن پیل بخواب اے عجب چون دید ہندوستان بشب[1]	آن پیل بخواب اے عجب چون دید ہندستان بشب
لیلی درآمد در طلب در جان مجنون دار من	لیلی درآمد در طلب در جان مجنون دار من
صبر از دل من بردۂ مست و خرابم کردۂ	صبر از دل من بردۂ مست و خرابم کردۂ
کو علم من کو حلم من کو عقل زیرک ساز من	کو علم من کو حلم من کو عقل زیرک ساز من
امشت چہ باشد قرنہا منشاند این بار نظا	امشب چہ باشد قرنہا منشاند این نار نظا
(ص۱۵) من آب گشتم از حیا ساکن نشد این نار من	من آب گشتم از حیا ساکن نشد این نار من (ک ۲۹۱)

سپہ سالار	دیوان
ہر بشرے کہ صاف شد در دو جہان دراولی	ہر بشرے کہ صاف شد در دو جہاں دراولی
دید غرض کہ فقر بد بازنگ الست را بلی	دید غرض کہ فقر بد بانگ الست را بلی
(ص ۲۰)	(ک ۵۰۰۵)

حضرت خداوندگار ..... از سر معاملۂ خویش بیان می فرماید، بیض اللہ وجہہ العزیز

بسوزید آتش تقوی جہان ماسوی اللہ را	بسوزید آتش تقوی جہان ماسوی اللہ را
(ص۲۲) بزد برقی و اللہ و بسوزانید تقوی را	بزد برقی و اللہ و بسوزانید تقوی را (ک ۹۹۵)

حضرت خداوندگار ما از صفت آن شراب کلمات بسیار در غزل دیگر بیان میفرماید سقانا اللہ منہ

[1] مولینا نے اس طرح بعض اور اشعار میں بھی ہندوستان کا ذکر کیا ہے،

پیش ازان کاندر جہان باغ ومی انگور بود	پیش ازان کاندر جہان باغ ومی انگور بود
از شراب لایزالی جان ما مخمور بود	از شراب لایزالی جان ما مخمور بود
ما ببغداد جہان جان اناالحق میزدیم	ما ببغداد ازل لاف اناالحق میزدیم
پیش ازین کین دار وگیر ونکتۂ منصور بود	پیش ازین کین دار وگیر وفتنۂ منصور بود
(ص ۲۴)	(ک ۲۶۰)
سر قدم کردیم وآخر سوے جیحون تاختیم	سر قدم کردیم وآخر سوے جیحون تاختیم
عالمے برہم زدیم وجست بیرون تاختیم	عالمے برہم زدیم وجست بیرون تاختیم
اولین منزل یکے دریائے پرخون رونمود	اولین منزل یکے دریاے پرخون وانمود
درمیان موج آن دریائے پرخون تاختیم	درمیان موج آن دریاے پرخون تاختیم
چون براق عشق عرشی بود زیر ران ما	چون براق عشق عرشی بود زیر ران ما
گنبدی کردیم وسوے چرخ گردون تاختیم	گنبدی کردیم وسوے چرخ گردون تاختیم
فہم ووہم وعقل انسان جملگی دررہ بریخت	فہم ووہم وعقل انسان جملگی دررہ بریخت
چونکہ از شش حد انسان سخت افزون تاختیم	زانکہ از شش حد انسان سخت افزون تاختیم
عالم[1] چون را مثال ذرہ ہا برہم زدیم	عالم بیچون مثال ذرہ ہا برہم زدیم
تا بہ پیش تخت آن سلطان بیچون تاختیم	تا بہ پیش تخت آن سلطان بیچون تاختیم
(ص ۲۵)	(ک ۵۲۹)
سپہ سالار	دیوان شمس تبریز
سالکان قدس را محرم شدم	سالکان قدس را محرم شدم

[1] سپہ سالار کا مصرع زیادہ صحیح ہے ، اسلئے کہ عالم چون "سلطان بیچون" کے مقابل ہے ،

ساکنان قدس را همدم شدم
طارمی دیدم برون از شش جہت
خاک گشتم فرش آن طارم شدم
ہر نفس ہمراه عزرائیل بود،
جان مبادم گر ازو درہم شدم
رو برو با مرگ کردم مرحبا،
تا ز عید مرگ من خرم شدم
گہ چو عیسی جملگی گشتم زبان،
گہ ولے خاموش چو مریم شدم
بانگ نائے لم یزل بشنو ز من
گر چو پشت چنگ اندر خم شدم
عید اکبر شمس تبریزی که بود،
عید را قربانئ اعظم شدم،

(ص ۳۵)

ریگ ز آب سیر شد من نشدم زہی زہے
لایق جز گمان من نیست درین جہان ہی
اگر دلت ببلائے غمش شرح نیست
یقیں بدان که تو در عشق شاه مختصری
ز رنج گنج بترس و ز رنج ہر کس نے

ساکنان قدس را همدم شدم،
طارمی دیدم برون از شش جہت
خاک گشتم فرش آن طارم شدم
ہر نفس ہمراه عزرائیل بود،
جان مبادم گر ازو درہم شدم
رو برو با مرگ کردم مرحبا
تا ز عید مرگ من خرم شدم
گہ چو عیسی جملگی گشتم زبان،
گہ ولے خاموش چو مریم شدم
بانگ نائے لم یزل بشنو ز من،
گر چو پشت چنگ اندر خم شدم
عید اکبر شمس تبریزی که بود،
عید را قربانئ اعظم شدم

(ک ۲۱۱)

ریگ ز آب سیر شد من نشدم زہی زہے
لائق جز گمان من نیست درین جہان ہی
اگر دلت ببلائے غمش شرح نیست
یقین بدان که تو در عشق شاه مختصری
ز رنج گنج بترس و ز رنج دیگر نے،

کہ خشم حق نہ بود ہمچو کینۂ بشری	کہ خشم حق نہ بود ہمچو کینۂ بشری
(ص ۲۷)	(ک ۹۶۸)
غم راچہ زہرہ باشد تا نام ما برد	غم راچہ زہرہ باشد تا نام ما برد
دستے بزن کہ از غم و غمخوار فارغیم	دستی بزن کہ از غم و غمخوار فارغیم
مالاف می زنیم تو انکار میکنی	مالاف می زنیم تو انکار میکنی
زاقرار ہرد و عالم و انکار فارغیم	زاقرار جملہ عالم و انکار فارغیم
(ص ۲۸)	(ص ۳۰۶)
چنانکہ از رنگ رنجوران طبیب از علت آگاہ شد	چنانکہ از رنگ رنجوران طبیب از علت آگاہ شد
زرنگ وروئے چشم تو بدنیت پے برد بینا	زرنگ وروئے وچشم تو بدنیت پے برد بینا
ببیند حال دین تو بد اندھر و کین تو	ببیند حال دین تو بد اندھر و کین تو
زرنگت لیک پوشاند نگرد اند ترا رسوا	زرنگت لیک پوشاند نگرد اند ترا رسوا
نظر در نامہ می دارد ولے تا لب نمی خواند	نظر در نامہ می دارد ولے تا لب نمی خواند
ہمی داند کزین حال چہ صورت زایدش فردا	ہمی داند کزین حال چہ صورت زایدش فردا
(ص ۲۹)	(ک ۳)
ستارہ ایست خدا را کہ بر زمین گردد	ستارۂ ایست خدا را کہ بر زمین گردد
کہ در ہوائے دلیست آفتاب چرخ بود	کہ در ہوائے دلیست آفتاب چرخ بود
بسا سحر کہ در آید بصومعۂ مومن	بسا سحر کہ در آید بصومعۂ مومن
کہ من ستارۂ سعدم بجز زمن مقصود	کہ من ستارۂ سعدم بجز زمن مقصود
ستارہ ام کہ من اندر زمین و بر چرخم	ستارہ ام کہ من اندر زمین و بر چرخم

بصد مقام یا بند چون خیال حدود	بصد مقام یا بند چون خیال حدود
(ص ۳۷)	(ک ۳۲۳)

ایک بادشاہ کی تباہی کے حال کی تفصیل کے بعد فرماتے ہیں، در اثنائے آن سماع بر داشتند و این غزل را فرمودند،

نگفتمت[1] مرو آنجا کہ مبتلات کنند	نگفتمت مرو آنجا کہ مبتلات کنند
کہ سخت دست درازاند بستہ مات کنند	کہ سخت دراز اند بستہ مات کنند
نگفتمت کہ ازان سوئے دام و دانہ است	نگفتمت کہ ازان سوئے دام و دانہ است
چو در فتادی در دام کے رہات کنند	چو در فتادی در دام کے رہات کنند
(ص ۴۳)	(ک ۳۲۶)
در خانہ خمار خرابات کہ دید است	در خانہ خمار خرابات کہ دید است
(ص ۲۰)	(ک ۳۲۸)
گر بشکند این جامم من غصہ نیاشامم	گر بشکند این جامم من غصہ نیاشامم
جامے دگر آن ساقی در زیر بغل دارد	صد جام دگر ساقی در زیر بغل دارد
	(ک ۲۱۱)

یہ سب وہ اشعار ہیں، جن کے متعلق سپہ سالار کی تصریح نظر سے گذر چکی ہے، کہ یہ سب مولانای روم کے فرمودہ ہیں، اس کے مقابل دیوان شمس تبریز سے منتخب شدہ اشعار بھی پیش نظر ہو چکے ہیں، اب تصفیہ کیا جا سکتا ہے کہ دیوان شمس تبریز مولینا کا کلام ہے، یا نہیں، بلا خوف تردید جواب اثبات میں ہے،

[1] یہ اشعار تصریح کے ساتھ مناقب میں بھی موجود ہیں،

سپہ سالار کا ایک اہم بیان علاوہ ان منتخبہ اشعار کے جو ہم نے اپنے دعوی کے ثبوت میں پیش کیے ہین سپہ سالار کا ایک اور بیان بھی ہے، جس سے ہمارے دلائل قطعی ہو جاتے ہین،

جب حضرت شمس تبریز دمشق کی طرف روانہ ہو گئے۔ تو وہان سے مولانا کے نام ایک نامۂ اقدس روانہ فرمایا۔

"ناگاہ از حضرت مولینا شمس الدین بخداوندگار از محروسۂ دمشق مکتوب آمد، بعد ازان حضرت خداوندگار در شوق عشق آنحضرت باز بسماع شد و کلمات و غزلیات انشا فرمود"

(سپہ سالار ص ۶۶)

دیوان کو دیکھئے تو ایک دو نہیں سیکڑون غزلیات اور ہزارون اشعار اس حال کی ترجمانی کرتے ہین، مثلاً یہ اشعار ملاحظہ ہون،

اے تو جانِ صد گلستان از من پنہان شدی ‌‌ ‌ اے تو جان جان جانم چون ز من پنہان شدی

شمس تبریزی بجاہی رفتہ چو یوسفی ‌ ‌ ‌ اے تو آب زندگی چون از من پنہان شدی

آگے چلئے تو اس سے زیادہ پرجوش بیان ہے، مفسدین کی شرارت سے تنگ آکر جب حضرت شمس الدین تبریز دوبارہ غائب ہو گئے، تو مولانا کو بیحد قلق ہوا، اور مولینا نہایت بیتاب و بیقرار ہوئے۔

"دران مدت ناگاہ غیبت فرمود، حضرت خداوندگار علی الصباح چون در مدرسہ آمد و خانہ را از ایشان خالی یافت چون ابر بخروشید و روز و شب در فراق غزلیات ببیان می آوردند"، (ص ۹۶ سپہ سالار)

اس غم ہجران کو بصورت شعر دیکھئے۔

مفخر تبریز شمس الحق تو بازآ از سفر ‌ ‌ ‌ بہر حق بارے دگر ما عاشقِ دوبارہ ایم[۱]

---

[۱] انتخاب غزلیات مولینا روم دفرزند مولینا روم قلمی کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن،

اے مونس وغمگسار عاشق، اے چشم و چراغ یار عاشق،
زینہاں چہ زیان اگر تو باشی چارہ گر وغم گسار عاشق،

(دیوان شمس تبریز نسخہ ذاتی مطبع منشی نولکشور، ص ۱۹۰)

ز شمس الدین دلا بس دور دوری، ز دوری گوئے ہمچو نفخ صوری،
خود بین در نظم شعرم منگر بہر انکو دیدہ و دل ز عشقش ہست خوں پالائے
ز بے چشم مرا حاصل شدہ آئین خونریزی ز ہجران خداوندی شمس الدین تبریزی

(کلیات شمس تبریز لکھنو ۱۹۱)

مدت دراز کے ہمدم وہمراز کے اس بیان اور دیوان کے ان اشعار کے بعد اس حقیقت کے اعتراف میں کوئی امر مانع دکھائی نہیں دیتا، کہ دیوان شمس تبریز مولانا کا کلام ہے، مولانا کے سیرت نگاروں میں سپہ سالار کی شہادت قطعی اور آخری ہے،

مثنوی سلطان ولد کی شہادت، سلطان ولد مولینا کے نامور فرزند ارجمند ہیں، صاحب علم وعمل ہونے کے علاوہ اہل سخن بھی تھے، شعر میں مولینا ہی کے پیرو ہیں، انکو ایک طرف علوم رسمی میں یدطولی حاصل تھا تو دوسری طرف حقائق قدسی سے بھی انکا دامن دولت مالا مال تھا، سپہ سالار[1] کہتے ہیں،

"سلطان ولد رضی اللہ عنہ..... در جمیع علوم رسمی دریائے بیکران بود و در معارف و حقایق قدسی بادشاہی بود بے مثل ونشانہ"

حضرت شمس بھی ان پر نہایت مہربان تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ ظاہر و باطن میں کامل ہوئے،

"حضرت مولینا شمس الدین عظم اللہ ذکرہ در بارۂ ایشان عنایتے تمام فرمودے، در اوقات تجلیات و مناجات از حضرت رب العزت جہت ایشان اعلائے مقامات ولایت

[1] سپہ سالار ص ۶، ۷، مطبوعہ محمود المطابع کانپور،

بے زحمت کدورت مشقت طلب استدعا فرمودی، لاجرم آن گنج حقایق اور اکمال حاصل گشت و ظاہر و باطن مبارکش ہمہ بنور قدسی مزین شد"

زہے زنور روان توچشم جان روشن
زعکس طلعتِ تو لوح قدسیان روشن

مثنوی سلطان ولد، مولانا ہی کی طرح ان کا ایک دیوان غزلیات اور ایک مثنوی ہے جو مثنوی سلطان ولد کے نام سے مشہور ہے، اس کا ایک قدیم اور صحیح قلمی نسخہ کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں محفوظ ہے، یہ مثنوی سلطان ولد کے فرزند سعید کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے، اور اس نسخہ کی کتابت ان کی وفات[1] کے چھ سال بعد مکمل ہوئی ہے،

خاتمۂ کتاب پر یہ عبارت بالکل اس خط میں ہے جس میں ساری مثنوی لکھی گئی ہے،

تم کتاب المثنوی المعنوی علی یدی احقر عباد اللہ واضعفہم عثمان بن عبد اللہ عتیق مولانا ابن مولانا المعروف بالولد نور اللہ بنورہ المؤید یوم السبت اربع عشر من شہر شوال سنہ ثمان عشر و سبعمایہ والحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ علیٰ نبیہ محمد و آلہ الطیبین الطاہرین و سلم،

مثنوی میں مختلف مسائل پر انھوں نے مختلف عنوان اور باب قرار دئیے ہیں، ایک باب مراتب قرب اور "فرقِ مدارجِ وصال" پر بھی ہے، اس عنوان کی عبارت میں مولانا روم کے اشعار بھی درج کئے ہیں،

"دربیان آنکہ رہ روان و واصلان را قرب حق یکسان نباشد چنانکہ مولینا قدس اللہ سرہ میفرماید"

دیوان	مثنوی سلطان ولد
اے بر سر بازاران ہر خرقہ بزنارے	اے بر سر بازاران صد خرقہ بزنارے
وز روئے تو در عالم ہر روے بدیوارے	وز روئے تو در عالم ہر روے بدیوارے

[1] سنہ وفات سلطان ولد ۷۱۲ھ سپہ سالار ص (دربیان خلفا حضرت خداوندگار بعنوان سلطان ولد)

ہر ذرہ تو خورشیدی گویائے انا الحق	ہر ذرہ زخورشیدت جویائے انا الحق
ہر گوشہ چو منصوری آویختہ برداری	ہر گوشہ چو حلاجست آویختہ برداری
ایں طرفہ کہ از یک خم ہر یک زئے مستند	ایں طرفہ کہ از یک خم ہر یک زمے مستند
ایں طرفہ کزیک گل در ہر قدمے خارے،	ایں طرفہ کہ از یک گل در ہر قدمے خارے
از عقل گروہے مست بے عقل گروہے مست	از عقل گروہے مست بے عقل گروہے مست
جز عاقل لایعقل قومی دگراند آری	جز عاقل و لایعقل قومی دگراند آری
(ورق ۲۳۸ کا صفحہ ثانی)	(دیوان شمس تبریز ص ۲۶۶)

ان اشعار کے بعد یہ عبارت ہے،

"پس در عین وصل واصلان حق را مقاماتیست، از روے وصل یکیانیست، واز روے مقامات و درجات مختلف چنانکہ در دنیا پادشاہی را خواص و مقربان باشند لیکن ہر یکے را پیش بادشاہ مقامی باشد یکے اعلیٰ و یکے ادنیٰ یکی اقرب و یکے ابعد چنانکہ مولینا قدس اللہ سرہ میفرمایند"

مثنوی سلطان ولد	دیوان شمس تبریز
گر تو نورِ حق شدی از شوق تا مغرب برو	
زانکہ ما را زین صفت پروای آن انوار نیست	
ور تو سر حق بدانستی بدان سر باش یار	یہ اشعار دیوان میں نہیں ہیں،
زانکہ این اسرار ما را خوئی آن اسرار نیست	
جانے کہ رو این سو کند با بایزید از خو کند	جانے کہ رو آنسو کند با بایزید او خو کند
یا در سنائی رو کند یا بو دہد عطار را	یا در سنائی رو کند یا بو دہد عطار را
(ورق ۲۳۸ کا صفحہ ثانی)	(دیوان شمس تبریز قلمی ناتمام ۱۱۹ کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد)

چند اور شہادتین

عطار اور سنائی کا ذکر، | مولینا روم حضرت عطار، اور سنائی کے پیام اور کلام دونوں سے متاثر ہوئے ہین، اسلئے مختلف مقامات پر ان کی مدح فرمائی ہے، جو بجائے خود اس امر کی ایک دلیل ہے کہ یہ اشعار مولینا کے ہین، اور اس سے دیوان شمس تبریز کا، مولینا کا کلام ہونا ثابت ہوتا ہے،

دا ہمچنین بازفرموده است،

دیوان	مثنوی سلطان ولد
حلاج اشارت گو از خلق پدید آمد	حلاج اشارت گو از خلق بدار آمد،
از تندئی اسرارم حلاج زند دارم[1]	از تندئی اسرارم حلاج زند دارم
(ک ۰۰۴)	(یہ شعر سپہ سالار مین ہے ص ۲۴)

ہم نے اوپر مثنوی سلطان ولد سے منتخبہ اشعار اور ان کے مقابل دیوان شمس تبریز سے وہی اشعار منتخب کر کے درج کر دیئے ہین، یہ ایک برہانِ ساطع ہے جس سے ہم دیوان شمس کو مولینا روم کا کلام ماننے پر مجبور ہین،

"فیہ مافیہ" کی شہادت، | فیہ مافیہ خود مولینا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات مائیہ کے مجموعہ کا نام ہے، اس کتاب کا صرف نام ہی نام سنتے تھے، مولینا کے عہد سے ابتک کبھی شائع

[1] یہ شعر سپہ سالار مین بھی ہے، منصور اشارت گو از خلق بدار آمد۔ از تندئی اسرارم حلاج زند دارم ص۲۱

نہ ہوئی تھی، ہاں حیدر آباد کو یہ فخر حاصل ہے، کہ کتب خانہ آصفیہ میں اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے،

رام پور کے کتبخانہ میں اس کا ایک نسخہ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدیر صدق کے ہاتھ لگا، انھوں نے ہندوستان اور قسطنطنیہ کے کتبخانون کے نسخون سے مقابلہ کرنے کے بعد تذکرہ اور تبصرہ کیساتھ پہلی مرتبہ اسے چھپواکر شائع کیا ہے، اب اس نعمتِ غیر مترقبہ سے ہر اہلِ دل استفادہ کر سکتا ہے، ع :-

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ دان کے لئے

مولینائے روم نے اس میں بھی بعض جگہ اپنے اشعار درج کئے ہین، ان میں ایسے بھی ہین، جو دیوان شمس تبریز میں ملتے ہین، جس سے ہمارے دعوی کی تائید ہوتی ہے، کہ دیوان شمس تبریز مولینا کے کلام کا مجموعہ ہے،

مولانا کی ایک مشہور اور مخصوص غزل کا ایک مصرع ہے،

فیہ مافیہ	دیوان شمس تبریز
مفروش خویش ارزان کہ توبس گرانبہائی	مفروش خویش ارزان کہ توبس گرانبہائی
(ص ۱۸)	(ک ۹۰۶)
فیہ مافیہ	دیوان شمس تبریز،
جزو درویشند جملہ نیک و بد،[1]	جزو درویشند جملہ نیک و بد

[1] یہ شعر مناقب العارفین میں بھی ہے (قلمی نسخہ کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن) ممکن ہے کہ بعض لوگ یہ سوال کرین کہ صرف فیہ مافیہ میں ہونے سے اس کا کسطرح علم ہوا کہ یہ اشعار خاص مولینا ہی کے ہین، لیکن جب یہ شعر مناقب میں تصریح کیساتھ پایا جاتا ہے اور دیوان میں بھی ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ اشعار مولینا ہی کے ہین،

ور نباشد این چنین درویش نیست	ہر کہ نبود او چنین درویش نیست
(ص۲۴۶) یہ شعر مناقب میں بھی ہے،	(ک ۱۵۹)
فرشتہ است بعلم و بہیمہ است بجہل	فرشتہ است بعلم و بہیمہ است بجہل
میان این دو منازع بماند مردم زاد	میان آن دو منازع بماند مردم زاد
(ص ۸۵)	(ک ۳۲۱)

گویا یہ خود مولینا کی شہادت ہے، متاخرین، متقدمین، ہمعصر اور ہمدم و ہم صحبت اصحاب کرام کی شہادت کے بعد ہم نے خود مولینا کی شہادت بھی نقل کر دی ہے، ان اشعار سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہوا کہ دیوان شمس تبریز مولینا کے نتائج افکار میں سے ہے، فیہ ما فیہ کی شہادت قوی تر ہے، اس سے ہماری دلیل بھی قوی ترین ہو جاتی ہے،

ایک خاص اور اہم شہادت کتبخانہ آصفیہ میں مولانائے روم کے کلام کا ایک گرانقدر مجموعہ "غزلیات مولینائے روم و فرزند مولینائے روم" کے نام سے ہے جس مین ان دونون کی غزلون کا یہ ایک نہایت بیش قیمت انتخاب ہے، یہ نسخہ قلمی ہے، خط نہایت خوبصورت اور پختہ ہے، ایرانی طرز کی ایک نہایت نفیس سوختہ چرمی جلد ہے، لیکن شکستہ، جلد کے درمیان میں نہایت پاکیزہ خط میں درود شریف لکھا ہوا ہے، حاشیوں پر کلمات تسبیح درج ہیں، کتاب پر نہ نام درج ہے، اور نہ سنہ کتابت، ۱۳۳۱ھ ف میں غالباً عابد نواز جنگ سے کتبخانہ آصفیہ کے لئے خریدی گئی ہے،[1]

قطعی طور پر یہ کہنا مشکل ہے، کہ یہ نسخہ کسقدر قدیم ہے، اگر اس کا مثنوی سلطان ولد کے مذکورۂ بالا قدیم قلمی نسخے سے جسکی کتابت ان کی وفات[2] کے چھ سال بعد پایہ تکمیل کو پہنچی ہے، مقابلہ کیا جائے،

[1] کتبخانہ آصفیہ.... دواوین فارسی نمبر ۳۴۳ [2] سلطان ولد کا سنہ وفات ۷۱۲ھ ہے، آخر شب روز شنبہ دہم ماہ رجب سنہ اثنی عشر و سبعہ مائۃ در پردہ نور مستور شد اور اختتام کتابت کی تاریخ ۷۱۸ھ ہے، جو خاتمہ کتاب پر بقلم کاتب درج ہے،

اور مختلف پہلوؤں پر غور کیا جائے تو غزلیات کا یہ نسخہ مثنوی رباب نامہ کے اس نسخہ سے قریب العہد معلوم ہوتا ہے، باوجود نہایت خوشخط اور صاف ہونے کے مثنوی کے اس نسخہ سے زیادہ اس کا کاغذ گل گیا ہے، اس کا شیرازہ بھی بکھرا ہوا ہے،

اس میں مولینا روم اور سلطان ولد (فرزند مولانا روم) دونوں کی غزلیات ہیں لیکن مخلوط ترتیب ایسی نہیں کہ پہلے کسی کی غزلیں ہوں، اور بعدہٗ دوسرے کی،

غزلیات میں بھی ردیف وغیرہ کے اعتبار سے کوئی خاص ترتیب نہیں، اکثر باپ اور بیٹے کی ہم قافیہ اور ہم ردیف غزلیں ساتھ ساتھ درج ہیں، جیسے کسی کو دونوں شعرا کے کلام کا موازنہ اور مقابلہ مقصود ہو،

لوالدہ۔ اے تو زخوبی خویش آئینہ را مشتری	سوختہ باد آئینہ ما تو دران بنگری
لولدہ۔ اے ہمہ خوبان ترا از دل و جان مشتری	تا سوی ایشان ہمایکنفسی بنگری
لوالدہ قرۃ العینی منی اے جان بلے،	ماہ بدری کرد ما کرد اں بلے،
لولدہ۔ ولد این بوزن گفت مولانا بو	قرۃ العینی منی اے جان بلے،

اس آخری شعر سے ظاہر ہوتا ہے، سلطان ولد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ غزلیات مولانائے روم کی غزلیات پر لکھی ہیں، اور اس انتخاب میں تقریبًا ساری غزلیات اسی نوعیت کی ہیں، غزلیات کا انتخاب مرتب کے حسن ذوق اور سخن شناسی کی دلیل ہے، مولانا کی ہر غزل پر "لوالدہ" اور سلطان ولد کی غزل پر "لولدہ" لکھا ہوا ہے،

خاص بات اور قابل غور و فکر امر یہ ہے کہ ہر غزل سے پہلے "لوالدہ" اور "لولدہ" کے الفاظ کے بعد مرتب مذکور احترامًا خاص خاص دعائیہ جملے لکھتا ہے جس سے حضرات شعرا کیساتھ اسکی دلی عقیدت کے علاوہ اسکا کمال علم و فضل بھی ظاہر ہوتا ہے، مثالًا ملاحظہ ہو،

لولدہ اصلح اللہ شانہٗ	لوالدہ غفر اللہ ذنوبہ،
لولدہ عفی اللہ عنہ،	لوالدہ اعز اللہ نصرہ،
لولدہ اجل اللہ قدرہ،	لوالدہ اجل اللہ قدرہ،
لولدہ طیب اللہ تربتہٗ	لوالدہ طاب اللہ مرقدہٗ
لولدہ نور اللہ مضجعہٗ	لوالدہ طاب اللہ تربتہ،
	لوالدہ رحمۃ اللہ علیہ،

یہ مختلف فقرے اس طرح استعمال کیے گئے ہین، کہ بعض پر یہ گمان ہوتا ہے، کہ ممدوح کے زمانہ حیات مین لکھے گئے ہین، جیسے "اصلح اللہ شانہ" "اعز اللہ نصرہ" اور بعض سے ظاہر ہے کہ موت کے بعد لکھے گئے ہین، جیسے "طاب اللہ مرقدہ" "نور اللہ مضجعہ" مولینا ے روم اور ان کے خلفاے محترم کے معتقد اور مخصوص تذکرہ نویس فریدون سپہ سالار اور شمس الدین افلاکی صاحب مناقب العارفین ہین، انکے بعد تذکرہ نویسون کا ایک طویل سلسلہ ہے، لیکن اور تذکرون میں تو یہ بات نہیں ہے، ان دونون حضرات نے القاب وآداب اور ایسے دعائیہ جملے اپنی اپنی تحریرون میں استعمال کیے ہین، لیکن مناقب میں افلاکی کا یہ رنگ نہیں، البتہ سپہ سالار کی القاب نویسی مین دعائیہ جملوں کے لکھنے کا رنگ قریب قریب بلکہ بالکلیہ اس کے مشابہ ہے، عربیت، ترکیب اور بندش بھی ایسی ہی جس سے اسکے جوش عقیدت اور قدرت زبان کا پتہ چلتا ہے، سپہ سالار میں بھی یہی بات آپ پائین گے، مثالین ملاحظہ ہون،

مولینا کے نام کیساتھ "قال الشیخ قدس اللہ روحہٗ (سپہ سالار ص ۳) عظم اللہ ذکرہم (سپہ سالار ص۱۴) در ذکر حضرت خداوندگار قدس اللہ سرہٗ العزیز (سپہ سالار ص ۱۴) قدسنا اللہ سرہ العزیز (سپہ سالار ص۱۵) بیض اللہ وجہہ العزیز (سپہ سالار ص۲۲) عظم اللہ جلال قدرہ (سپہ سالار ص۲۳) بیض اللہ تعالی وجہہ (سپہ سالار ص۲۶) شیخ اوحد الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ" سلطان سعید رکن الدین نور اللہ قبرہ، حضرت شمس عظم اللہ

ذکرہٗ (سپہ سالار ص ۶۳) عظم اللہ جلال قدرہٗ ص ۶۳، برایمہٗ صلاح الدین بیض اللہ غرتہ (سپہ سالار ص ۶۶)

سلطان ولد۔ رضی اللہ عنہ، وعن اسلافہ ص ۷۰، قدسنا اللہ بسرہ (سپہ سالار ص ۷۶)

بیض اللہ غرتہ (سپہ سالار ص ۷۹)

سلطان شمس الدین عابد۔ اسبغ اللہ ظلہٗ چلپی عارف نور اللہ ضریحہ،

القاب وآداب کا تو یہ رنگ پیش نظر ہوگیا ہے، مشابہت ومشارکت کا اندازہ ہوگیا، جیسے اسمیں بعض القاب کی تکرار ہوتی ہے، اس منتخبہ نسخہ میں بھی القاب کی تکرار کا یہی حال ہے، سپہ سالار میں بعض القاب مختلف حضرات کیلئے مشترک طور پر استعمال ہوئے ہین، تو غزلیات کے اس انتخاب میں بھی مولینا اور سلطان ولد کے لئے بعض القاب مشترک طور پر استعمال ہوئے ہین، مثلاً اجل اللہ قدرہ، طاب اللہ تربتہ، یہ صرف ہمارا ایک گمان اور قیاس ہے، (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال،)

کیا اس نسخہ کی غزلیات منتخبہ مولانا ہی کی ہین؟

ہمنے اوپر بیان کیا ہے کہ نسخہ پر کتاب کا کوئی نام درج نہیں ہے، صرف فہرست کتبخانہ میں اس کا نام "غزلیات مولینا روم اور فرزند مولینا روم" ہے، ابتدا اور آخر کے چند صفحات غائب ہیں، البتہ صرف ہر غزل کے سرے پر الفاظ "والدہ" اور "ولدہ" درج ہین، ممکن ہے کوئی یہ سوال کرے کہ اس کا کیا ثبوت ہے، کہ یہ والد اور ولد سے مراد مولینا روم اور سلطان ولد ہیں، اور یہ انہی کے کلام بلاغت نظام کا انتخاب ہے،

اس کا جواب یہ ہے کہ،

تقریباً سلطان ولد کی ساری غزلیات میں جن کے آغاز میں "ولدہ" لکھا ہوا ہے، انکا تخلص موجود ہے، جیسے:۔

مغز مغزی اے ولد ہم جان جان مُرد خرد ۔۔۔ علما و عقلها در پیش حسنت چون بسر

(ورق ۸ھ سے پہلے کا صفحہ،)

ہین ولد پیدا مکن اسرار عشق شاہ را	غیرت حق آتشست افزون مکن خاموش بس
اے ولد چون راہ معنی را گزیدی لاجرم	ہم تو شاہی ہم سپاہی ہم امالی ہم امین

(ورق ۹ھ سے پہلے کا صفحہ،)

لب بند ازین گفتن بس کن زگہر سفتن	یکبارہ ولد ہر دم اسرار مکن پیدا،

(ورق ۵۰ سے پہلے کا صفحہ)

گشتست ولد بیجان زان لطف و صد حلقہ	در حلقہ جان او مہر تو نگیں بادا،

(ورق ۶۰ سے پہلے کا صفحہ)

جب سلطان ولد کی غزلیات واقعی انہی کی ہین، اور انتخاب کنندہ کا اندراج صحیح ہے، تو اس محل پر اس امر مین شک وشبہہ کی کوئی وجہ نہیں کہ انھون نے جن غزلیات پر "لوالدہ" لکھا ہے وہ مولنائے روم ہی کی ہیں، اگر وہ صحیح ہے تو یہ بھی درست ہے،

ایک بدیہی ثبوت، | اس سے قوی تر ایک اور ثبوت بھی ہمارے یہان موجود ہے، وہ یہ ہے، کہ بعض غزلیات کے چند اشعار جو اس گلدستۂ انتخاب میں ہیں، تصریح اور توضیح کے ساتھ سپہ سالار میں بھی پائے جاتے ہین، جو مولانائے معنوی کا معتبر ترین تذکرہ ہے، بعض اشعار سپہ سالار اور مناقب العارفین دونوں میں پائے جاتے ہین، یہ اس امر کا بدیہی ثبوت ہے، کہ نسخۂ مذکور کی منتخبہ غزلیات بلاشبہہ مولانا ہی کی ہین،

یہ تو دعوی ہوا دلیل ملاحظہ ہو،

غزلیات مولینا روم و فرزند مولینا روم،	سپہ سالار	مناقب العارفین
سر قدم کردیم و آخر سوئے جیحون تاختیم	سر قدیم کردیم و آخر سوئے جیحون تاختیم	سر قدم کردیم و آخر سوئے جیحون تاختیم

ل شمار اس نسخہ میں بھی اوراق کا ہے، صفحات کا نہیں،

غزلیات مولینا روم فرزند مولینا روم	سپہ سالار	مناقب العارفین
عالمے برہم زدیم وچست بیرون تاختیم	عالمے برہم زدیم وچست بیرون تاختیم	عالمے برہم زدیم وچست وبیرون تاختیم
چون براق عشق عرشی بود زیران ما	چوں براق عشق عرشی بود زیران ما	چون براق عشق عرشی بود زیران ما
گنبدی کردیم سوئے چرخ گردون تاختیم	گنبدی کردیم سوے چرخ گردوں تاختیم	گنبدی کردیم سوئے چرخ گردون تاختیم
عالم چون امثال ذرہ ہا برہم زدیم	عالم چوں را امثال ذرہ ہا برہم زدیم	عالم چون را امثال ذرہ ہا برہم زدیم
تا بہ پیش تخت آن سلطان بیچون تاختیم	تا بہ پیش تخت آں سلطان بیچوں تاختیم	تا بہ پیش تخت آن سلطان بیچون تاختیم

باروے توز سبزہ و گلزار فارغیم ۲ باروئے توز سبزہ و گلزار فارغیم

باچشم تو ز بادۂ و خمار فارغیم باچشم تو ز بادۂ و خمار فارغیم

(یہاں اوراق[1] کا نمبر نہیں ہے) (سپہ سالار)

سالکان راہ را محرم شدم ۳ سالکان راہ را محرم شدم

ساکنان قدس را ہمدم شدم ساکنان قدس را ہمدم شدم

(اوراق کا نمبر نہیں) (ص ۲۵)

اس قطعی دلیل کے علاوہ اس امر کی ایک اور داخلی شہادت بھی موجود ہے، اسی نسخہ کی ایک غزل میں مولانا نے سلطان ولد سے خطاب کیا ہے، فرماتے ہیں،

ہیچو کہ مردان ولد جوئی رضائے احد ہم بطالب زود مدو عمر بپایان رسید

سلطان ولد اسی قافیہ و ردیف کی غزل میں جو انتخاب میں اسی کے بعد درج ہے، اس کا ذکر فرماتے ہیں،

[1] کتب خانہ کے منتظمین نے کتاب کے اوراق شمار کئے ہیں، چند اوراق کے بعد انھوں نے کتاب کو بلا شمار چھوڑ دیا ہے،

والد گفت اے ولد ہستم آن صدد　　　　کہ رسدت جان من عمر چو پایان رسید

(ورق ۹۰ سے پہلے کا صفحہ)

ایک اور شعر میں مولینا نے سلطان ولد کو مخاطب فرمایا ہے،

گوہر عشقت کجا یابد ولد،　　　　چون ورای ہفت دریا آمدی

اس ثبوت کے بعد سارا شک یقین سے بدل گیا کہ اس انتخاب میں جو غزلیات مولینا کی طرف منسوب ہیں، وہ انہی کی ہین، اب ہم تحقیق و مقابلہ سے ظاہر کریں گے کہ یہ غزلیات دیوان شمس تبریز مین بھی پائی جاتی ہین، جس سے ہمارا مدعا قطعی طور پر ثابت ہوجائے گا کہ دیوان شمس تبریز مولانا روم کا کلام ہے۔ مقابلہ پیش نظر ہے، طوالت کے خوف سے ہم نے اکثر غزل کا صرف مطلع اور مقطع نقل کیا ہے، ورنہ ان غزلیات کے اکثر اشعار انتخاب مین شامل ہین،

غزلیات مولینا روم و فرزند مولانا لوالدہٗ قدس اللہ وجہہ،	دیوان شمس تبریز
اندر آای اصل اصل شادمانی شاد باش	اندر آای اصل اصل شادمانی شاد باش
اندر آای آب آب زندگانی شاد باش	اندر آای آب آب زندگانی شاد باش
گوہر آدم بعالم شمس تبریزی توئی	گوہر آدم بعالم شمس تبریزی توئی
از تو حیران شدہ بحر معانی شاد باش	از تو حیران شدہ بحر معانی شاد باش
(ورق ۶ سے پہلے کا صفحہ)	(کلیات شمس تبریز لکھنؤ ص ۱۲۴)

مقطع میں شمس تبریز کا نام اور تعریف قابلِ غور ہے،

لوالدہ طیب اللہ مرقدہ،

سر قدم کردیم و آخر سوئے جیحون تاختیم　　۲　　سر قدم کردیم و آخر سوئے جیحون تاختیم

عالمے برہم زدیم وچیست بیرون تاختیم
سوئے شمع شمس تبریزی بہ بیشہ شیر جان
بودہ پروانہ نہ پنداری کہ اکنون تاختیم

(ورق ۶)

عالمے برہم زدیم وجست بیرون تاختیم
سوئے شمع شمس تبریزی بہ بیشہ شیر جان
بودہ پروانہ نہ پنداری کہ اکنون تاختیم

(ک ۵۲۹ وص ۲۱۰)

۳

لوالدہ عفی اللہ عنہ

اے توجانِ صد گلستان ازمن پنہان شدی
اے توجان جان جانم چون زمین پنہان شدی
شمس تبریزی بجاہی رفتہ چو یوسفی،
اے تو آبِ زندگی چون از من پنہان شدی

(ورق ۱۳)

اے توجانِ صد گلستان ازمن پنہان شدی
ای توجان جان جانم چون زمن پنہان شدی
شمس تبریزی بجاہی رفتہ چون یوسفی
اے تو آبِ زندگی چون از من پنہان شدی

(ک ردیف ی)

۴

لوالدہ طاب اللہ مرقدہٗ

آمدہ شہر صیام سنجق سلطان رسید
لشکر انوار جانِ کوری شیطان رسید

(ورق ۸۰)

آمدہ ماہ صیام سنجق سلطان رسید
دست بدار از طعام مائدہ جان رسید

(ک ۲۹۰)

۵

لوالدہٗ نور اللہ مرقد

صبحدمی، ہمچو صبح پردۂ ظلمت درید
نیم شبے ناگہان صبح قیامت دمید
چون کہ تبرز چشم شمس حقم راپدید،
گفت حقش پرشوی گفت بلِ من مزید

(ورق ۹۰)

صبحدمی، ہمچو صبح پردۂ ظلمت درید،
نیم شبے ناگہان صبح قیامت دمید
چون کہ تبریز چشم شمس حقم راپدید
گفت حقش پرشدی گفت بلِ من مزید

(ک ۳۰۱)

لوالدہ عفی اللہ عنہ

۶

شاہ کشاداست ٗ دیدہ شہ بین کجا کراست
بادہ گلگون شہ برگل و نسرین چراست
خسرو جان شمس دین مفخر تبریزیان
در دو جہان ہمچو او شاہ خوش آئین کراست
(ورق ۵۵ سے پہلے کا صفحہ)

شاہ کشادست او دیدہ شہ بین کراست
بادہ گلگون شہ برگل و نسرین کراست
خسرو جان شمس دین مفخر تبریزیان
در دو جہان ہمچو او شدہ خوش آئین کراست
(دیوان شمس تبریز ص ۹۳)

لوالدہ سر اللہ عیوبہ،

۷

برچرخ سحرگاہ یکی ماہ عیان شد
از چرخ فرود آمد و در ما نگران شد
بے دولت مخدومیٔ شمس الحق تبریز
نے ماہ توان دیدن و نے بحر توان شد
(ورق کا شمار نہیں)

برچرخ سحرگاہ یکی ماہ عیان شد
از چرخ فرود آمد و در مان نگران شد
بے دولت مخدومی شمس الحق تبریز
نے ماہ توان دیدن و نے بحر توان شد
(دیوان شمس تبریز ص ۸۳)

لوالدہ اصلح اللہ شانہ

۸

اے بہار سبز و تر شاد آمدی
وے نگار سیمبر شاد آمدی
شمس تبریزی کہ عالم از رخت،
ہست مست و بے خبر شاد آمدی
(ورق بلا شمار ہے)

اے بہار سبز و تر شاد آمدی
دے نگار سیمبر شاد آمدی
شمس تبریزی کہ عالم از رخت،
ہست مست و بے خبر شاد آمدی
(دیوان شمس تبریز ص ۲۶۲)

لوالدہ غفر اللہ ذنوبہ

۹

سالکان راہ را ہمدم شدم	سالکان راہ را محرم شدم،
ساکنان قدس را ہمدم شدم	ساکنان قدس را ہمدم شدم.
عید اکبر شمس تبریزی بود،	عید جانم شمس تبریزی بود
عید را قربانی اعظم شدم،	عید را قربانی اعظم شدم

اس سے یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے، کہ دیوان شمس تبریز مولینائے روم کی طبع آزمائی کا نتیجہ ہے، اور انہی کے واردات قلب کا ترجمان ہے،

اسکے علاوہ یہان دو باتین ہماری توجہ کو اپنی طرف منعطف کرتی ہین، ایک تو یہ ہے کہ ان منتخبہ غزلیات میں بھی مقطعون میں حضرت شمس کا ذکر اور ان کی مدح آتی ہے، ٹھیک اسی طرح کم و بیش دیوان کی ساری غزلیات میں حضرت شمس کا نام اسی انداز کی تعریف و توصیف کے ساتھ آتا ہے، بادی النظر میں یہی پہلی وجہ ہوتی ہے جس سے ناظر یہ خیال کرتا ہے، کہ یہ حضرت شمس کا کلام ہے، لیکن انتخاب کی ان غزلیات اور ان کے مقاطع میں حضرت شمس کے نام نے اس خیال کو باطل کر دیا، اور یہی نتیجہ دیوان کے بغور مطالعہ کے بعد حاصل ہوتا ہے، اس نسخہ کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ مرتب کو اس میں بالکل شبہہ نہ تھا، کہ یہ کلام مولینا کا ہے، صاف معلوم ہوتا ہے، اُسنے کامل یقین اور اذعان اور مطالعہ کے بعد ان غزلیات کا انتخاب کیا ہے، اس بات نے ہمارے مدعا کو روشن تر کر دیا ہے،

بابِ دوم

داخلی شہادت

خاموش کردم این زبان با کس نگویم این زمان　　　شد شمس تبریزی عیان بر مصحفِ دیوان ما

(دیوان شمس تبریز) (رومیؒ)

داخلی شہادت، حتی الامکان ہم نے اپنے مدعا کے اثبات مین تاریخی شہادت اور خارجی شواہد پیش کردیے خارجی شواہد میں بعض نہایت قوی اور ایقان آفرین دلائل ہاتھ آگئے جس سے شک وشبہہ جاتا رہا، لیکن اس سے اہم اور واضح ترین شہادت وہ ہے، جو ہمیں دیوان ہی سے ملتی ہے، یہاں مماثلت، اشتراک اور تقابل کی بحث نہین ہے، یہان خود مولینائے روم کی زبان سے اس سوال کا شافی جواب ملجاتا ہے، اور طالب حقیقت اس سے اطمینان کی آخری منزل پر پہنچ جاتا ہے،

اکثر فارسی شعرا کا قاعدہ ہے کہ غزل یا قصیدہ کے مقطع میں بالعموم اپنا تخلص لاتے ہین، جس سے پڑھنے والے کو اس کا علم ہوتا ہے، کہ یہ کلام کس کا نتیجۂ فکر ہے، بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ مقطع بلا تخلص لکھا گیا ہو لیکن مولانائے روم کی یہ عادت نہین، انھیں صرف فکر کلام ہی ہے، فکر نام یا پابندی رسمِ عام بالکل نہین، مثنوی معنوی میں بھی شاذ و نادر ہی اپنا ذکر کرتے ہین، یا اپنا تخلص یا نام لاتے ہین،

دیوان شمس تبریز کے متعلق ایک غلط فہمی

دیوان میں بھی یہی حال ہے، ان کا اپنا تذکرہ یا اپنا تخلص ڈھونڈنے والے کو بھی مشکل سے ملتا ہے، لیکن ایک بات نہایت عجیب ہے وہ یہ کہ کم و بیش تقریبًا ساری غزلیات کے مقطعوں میں شمس تبریز کا نام ملے گا، کہیں کہیں مقطعوں میں بھی ہے کہیں غزل کے درمیان شمس کی مدح اور ان کا نام آتا ہے، یہ وہ بات ہے جس کے باعث بادی النظر میں دیوان کا سرسری پڑھنے والا یا دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ یہ شمس تبریز نور اللہ قبرہ کا دیوان ہے، حالانکہ یہ غلط ہے اور ادنیٰ توجہ سے دیوان پر نظر ڈالنے والا بھی کم سے کم اس نتیجہ پر تو پہنچ ہی جاتا ہے، کہ یہ شمس تبریزؒ کا کلام نہیں، بلکہ ان کے کسی عاشق بیتاب اور مضطرب الحال مداح کا ہے، واقعہ کیا ہے، خود مولیناؒ ہی کی زبان نے اس کا جواب دیا ہے،

جز قصۂ شمس الحق تبریز نگوئید، ازماہ بپرسید کہ خورشید پرستیم

(دیوان شمس تبریز ص ۲۰۱)

قونیہ کے بدر کامل مولینا رومؒ نے دیوان میں دراصل شمس تبریز کے اسرار اور انوار کا ذکر فرمایا ہے، حسب سابق یہی ہمارا دعویٰ ہے، اب ہم شرح و بسط کیساتھ دلائل پیش کریں گے،

مدح شمس تبریزؒ

یہ تو سب جانتے ہیں، کہ غزلیات میں حضرت شمس تبریز کا نام کثرت سے آتا ہے لیکن اس پر بہت کم غور کیا جاتا ہے، کہ یہ نام کس حیثیت سے آتا ہے،

حضرت شمس تبریز کا نام کم و بیش ہر ایک موقع پر مدح کی حیثیت سے آیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ اس کلام کے مصنف شمس نہیں بلکہ کوئی مداح شمس ہیں،

اس پر لوگ اعتراض یہ کرتے ہیں کہ شاعر اپنی آپ توصیف کرتے ہیں وہ ایسی ہی تعریف ہوگی جسکی بنا پر یہ غلط فہمی ہوئی کہ یہ کلام شمس تبریز کا نہیں بلکہ کسی دوسرے کا ہے،

یہ سچ ہے کہ بعض فارسی شعرا خصوصًا قصائد میں اور کسی قدر غزل میں اپنی لیاقت اور

اور اپنے علم و فضل پر شاعرانہ تعلی کرتے ہین، یا شرافتِ نسب پر اظہارِ فخر کرتے ہین، جیسے عرفی اس خصوص مین مشہور ہے، ؎

اقبال سکندر بجہانگیری نظمم | بر داشت بیکدست قلم را و علم را

غزل مین بھی کہین کہین اور کبھی کبھی شاعر کسی خاص پیرایہ مین یا اپنے آپ کو غیر فرض کرکے اپنی تعریف کا کوئی پہلو نکالتا ہے، لیکن اسکی حیثیت شاعرانہ تعلی سے زیادہ نہیں ہوتی، یہ تعلی کبھی کبھی بڑی حد تک حقیقت پر مبنی ہوتی ہے، جیسے ڈاکٹر اقبال کا شعر ہے،

بیا اینجا کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی | برہمن زادۂ رمز آشنائے رومؒ و تبریزؒ است

یا حافظ شیرازؒ حاسد سے مخاطب ہو کر فرماتے ہین،

حسد چہ می بری اے سست نظم بر حافظ | قبولِ خاطر و لطفِ سخن خدا داد است

در آسمان چہ عجب گر ز گفتۂ حافظ | سماع زہرہ برقص آورد مسیحا را

لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا کہ ہر غزل مین، مقطع مین، مطلع مین، غزل کے درمیان مین جابجا کوئی شاعر اپنے کمال، اپنے علو مرتبت، اپنی روحانی فضیلت کا طومار باندھ دے، اور سارے دیوان کو صرف اپنا قصیدہ مدحیہ بنا دے، خصوصاً جب کہ شاعر کوئی خود پسند، نفس پرست، طالب زر دربار داری کرنے والا شخص نہ ہو، بلکہ غیور حق پرست اہلِ دل ہو، اور مقدس شخصیت رکھتا ہو، دیوان شمس تبریز مین شمس کا نام کسی خود پسند مداح کی حیثیت سے نہیں، بلکہ ممدوح ذیشان کی حیثیت سے آیا ہے، مدح تو مسلم ہے، لیکن مدح کی نوعیت بھی تو قابلِ غور ہے،

ہم ان مداحیہ اشعار مین سے چند اشعار درج کرتے ہین، جن سے مدح کی نوعیت اور ممدوح کی حیثیت دونون کے متعلق صحیح اندازہ ہو جائے گا، مختلف غزلیات کے مطلعون، مقطعون، اور غزل کے درمیان مین حضرت شمس کا نام اسطرح آتا ہے،

هر قطره ز بحرِ شمس تبریز، مانند صدف هزار دریاست

عاشقان عشق را بسیار بازیها دہیم چونکہ شمس الدین تبریزی کنون شیدا ما

چون درختے را نہ بینی مرغ کے بینی درو پس چہ گوییم با تو جان جان ایں تبریز را

در دِ شمس الدین بود سرمایہ درمان ما بے سر و سامانی عشقش بود سامان ما

ایک مدحیہ غزل کے اشعار یہ ہیں:۔

شمس تبریزی چو نمائی جمال جانفزائی جانفزائی جانفزا

شمس تبریزی تو ئی ہادی دل رہنمائی رہنمائی رہنما

شمس تبریزی ز عشقت سوختم، جان مائی جانِ مائی جانِ ما،

بعض غزلیات میں سلسل دو دو شعر مدح کے ہیں،

دم مزن و ترک کن بہر دل شمس دین زفت و اشارات را نظر و عبارات را

می برد از بہر جان سالک اہلِ عیان شمس کہ جانہا از و یافت مراعات را

آمد نسیم عشق ز تبریز جانفزا آورد صد ہزار پیام از دم ضیا

اے ایاز دل و جان شمس حق تبریزی نیست در ہر دو جہان چون تو شہ محمودے

شمس تبریز چو شمس فلک از نور تو است نور بخشے ہمہ را از نظر بینائے،

شمس تبریزی تو ما را محو کن زانکہ تو چون آفتابے ما چو مہ

مفخر تبریزیان شمس حق دین ہست چو خورشید و مہ نیست مگر فانے

تو شمس دولت و دینے بخواجگی چو نشستی صد آفتاب فلک را چو بندگان نشانی

نشنوی ذاکر مناقب شمس تا سر از جیب او بدر نکنی،

مخدوم شمس الدین شہم ہم آفتاب و ہم مہم بر خاک از من سر نہم ہم سر بود ز ان متہم

عشق شمس الحق تبریزرہ قبلۂ دین	جز بدین دولت باقی بچہ باشیم سزا

بلا دانا شناسہ شمس تبریز	ترا این مردم نادان چہ دانند

کسے کز جان غلام شمس دین نیست	ز عشقش جان او خرم نگردد،

درمیان غزل میں ہے،

نداند سرو برگ کار آن را،	درختے را کہ شمس الدین نشاند،

چو شمس الدین تبریزی درآید،	بیک دم زان ہمہ دامت رہاند،

مدح کے یہ اشعار جن میں بعض مقطعے اور مطلعے ہیں، اور بعض غزل کے درمیانی حصے ہیں ہمارے پیش نظر ہیں، ان میں کہیں تو حضرت شمس کو ایک بحر حقیقت کی تشبیہ دی گئی ہے، اور اسکے ہر قطرہ کو ہزار دریا کے مانند بتایا گیا ہے، کہیں شمس کے "درد عشق" کو اپنے لئے درمان سمجھا گیا ہے، کسی شعر میں شمس کے مرتبۂ عظمت کا اظہار اسطرح کیا گیا ہے، کہ وہ چاند اور سورج ہیں لیکن لافانی،

کہیں مدحت کا یہ انداز ہے کہ حضرت شمس کی رفعت مکان کو آفتاب اور ماہتاب سے بلند تر ظاہر کیا گیا ہے، اور اسطرح اپنے آپ کو انکے آگے "سجدۂ تعظیمی" کے قابل بھی نہیں سمجھا،

کیا مدح اور تعریف کے یہ سارے اعتبارات کسی شاعر نے اپنے لئے استعمال کئے ہیں، یا کر سکتا ہے، کیا وہ ایسے اوصاف کو کثرت سے اپنی طرف منسوب کر سکے گا، جواب جب نفی میں ہے تو پھر مدح کسکی ہے،

کیا شمس تبریز اپنی زبان سے اپنی مدح میں اس کثرت اور عقیدت کو کام میں لا سکتے ہیں، ہرگز نہیں،

اس سے یہ تو ثابت ہوتا ہے، کہ یہ مدح یا مداحیہ کلام کسی طرح شمس تبریز کا اپنا نہیں، بلکہ کسی غیر کا ہے، جس کا دل اور زبان دونوں مدح شمس میں اپنی ارادت و

عقیدت کی تسکین پاتے ہیں،

چنانچہ اس سے دیوان بھر پڑا ہے، دیوان کے علاوہ مثنوی معنوی میں کئی اشعار مدح شمس میں ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مداح کون ہے اور ممدوح کسکی ذات والاصفات ہے،

شمس تبریزی که نور مطلق است، آفتاب ست وز انوار حق است،

چون حدیث روے شمس الدین رسید شمس چارم آسمان رو در کشید،

خود غریبی در جهان چون شمس نیست شمس جان باقی ست کو را امس نیست

در تصور ذات او را گنج کو، تا در آید در تصور مثل او،

ہم مدح کے کچھ اور ایسے اشعار درج کرتے ہیں، جو مندرجۂ بالا اشعار سے زیادہ واضح طور پر مدح کی نوعیت کو ظاہر کرتے ہیں،

ز عشق شمس دین این طرفه بندے، کزان بندم کشایش بود چندے،

ز شمس الدین بود وصف خدائی که می جوشد بدریائے بقائے،

ز شمس الدین بود جائز شرابے کزو جانست سرمست و خرابے

خسرو شرق شمس دین از تبریز چون رسد از مه و از ستارگان والله عار آیدت

شمس تبریزی در آید در دلم بزمے نهاد وز شراب عشق او گشت این در و دیوار مست

شمس تبریزی تو شمس گردون ذره بے تو می یابد کسوف و با تو می یابد حیات

عقیدت مند مداح سارے عالم کو نور شمس سے پر نور پاتا ہے،

شمس تبریزی ز تو عالم پر از نور و صفات ذره ذره از محیط لطف آن آثار مست

شمس تبریزی صلاح اہل عالم آمدست آنکه خاک پایش آمد بے ریا مست آمدست

عشق شمس تبریز میں عقیدت مند شاعر سامان بقا دیکھتا ہے،

بعشقِ شمس تبریزی بدہ جان ، کہ تا چون عشقِ او پایندہ باشی

مستیم ز جامِ شمس تبریز جامِ مئے او مبادے ما

ایک غزل کا مطلع یہ ہے ؛

از دور بدیدہ شمس دین را ، فخرِ تبریز و رشکِ چین را

شمس سے ارتباطِ معنوی کا ذکر اس شان سے ہے ،

شمس تبریزی جماعت از تو و از جمعیت فرض و سنت نیست الا دوستی تو مرا

اس مخلص اور ارادتمند کو شمس کی نسبت سے شہر تبریز بھی عزیز تھا، شمس کی مدح سے تو دیوان بھرا پڑا ہی ہے، لیکن تبریز کی ثنا و تعریف میں بھی کئی غزلین ہین ، ان میں ایک غزل کا مطلع ہی ،

دیدہ حاصل کن دلا وانگہ ببین تبریز را بے بصیرت کے توان دیدن چنین تبریز را

ایک غزل کے آخر میں یہ مدحیہ اشعار مسلسل ہیں ،

اے دل خامشی گزین وز بر ما چہ این نشین تا ز جنابِ شمس دین نورِ حیات میرسد

گوہرِ ناب شمس دین جامِ شرابِ شمس دین ہر شبم از عطاے او قدر و برات میرسد

نقل و کباب شمس دین چنگ و ربابِ شمس دین ہر نفسم ز بزمِ او بہرہ ثبات میرسد

اے شہ و شاہ شمس دین قدرتِ حق جلال بین بشنو اے مرید جان کاین چہ برات میرسد

ہر کہ نامِ شمس تبریزی شنید و سجدہ کرد روحِ او مقبولِ حضرت شد انا الحق میزند

کیست آنکس کو چنین مردی کند اندر جہان شمس تبریز آنکہ ماہ بدر را شق می کند

شمس الحق تبریزی شاہ ہمہ شیران است در بیشۂ جانِ ما آن شیر وطن دارد

ہرگز نشود غافل از ذات و صفاتِ حق ہر کس کہ ز شمس یک ذرہ نظر یابد ،

یہ پوری غزل مدحِ شمس ہی میں ہی ،

جانم بفدائے شمسِ دین | تا ہمچو رضائے شمس دین شد
جانِ ملکی و جسم خاکی، | خاکِ کفِ پائے شمس دین شد
رضوان بہشت و ساکنانش، | سرمست رضائے شمس دین شد

(الی آخرہ)

انتہائی تعریف ہے،

اے شمس الدین شاہ تبریز | از بندگیت شہنشہانیم،
شمس الدین تبریزی بر لوح چو پیدا شد | واللہ کہ بسے منت بر لوح و قلم دارد

کثرتِ مدح گوئی سے یارائے گفتن ہی نہ رہا، تو فرماتے ہیں،

شمس تبریز کنون کز تو سخن گشت بسیط | زہرۂ ما نبود تا دمِ گفتار زنیم

لیکن یہ عاشق مخلص و مضطرب جسکی گفتار کا جزو مدحِ شیخ ہے، خود تعریف کرتے کرتے تھک گیا ہے تو دوسرون کو حکم دیتا ہے کہ شمس کی مدح کریں،

اے حسام الدین جان کن مدح آن سلطانِ عشق | گرچہ منکر در ہوائے عشق او دم میزند
شمس تبریزی شادہ مست در دستش کمان | تیر زہر آلودہ را بر جانِ احمق میزند

یہ اشعار بھی مدحیہ ہیں لیکن تعریف و توصیف زیادہ نمایان ہے،

ان اشعار کو درج کرنے اور مبہم اور واضح مدحیہ اشعار کو پیش کرنے کا مقصد صرف یہی ہے کہ اس مدح کی نوعیت ظاہر ہو جائے، جو شمس تبریز کے نام کیساتھ دیوان شمس تبریز میں پائی جاتی ہے، اس سے یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے، کہ وہ کلام جس کے اجزا یہ مدحیہ اشعار ہین، خود حضرت شمس جیسے ولی کامل کا نہیں ہے، کیونکہ اس مدح کی نوعیت کاملاً نہایت عقیدتمندانہ اور ارادتمندانہ ہے، یہ تحسین ہرگز شاعرانہ تعلّی نہیں ہو سکتی،

تاریخ و تذکرہ کے اوراق پیش نظر ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مداح کون ہے اور حضرت شمس سے اس قدر دلبستگی کسکو ہے،

سپہ سالار حضرت شمس اور مولینائے روم کے روابط کے ذکر میں لکھتے ہیں، جب جناب شمس دمشق تشریف لے گئے، تو مولینا نے کئی غزلیں لکھکر بذریعہ سلطان ولد حضور کی خدمت باسعادت میں روانہ کیں، ان میں حضرت شمس کی رفعت شان اور عظمت مقام کا ذکر اس رنگ میں ہے،

بخدائے کہ در ازل بودہ است   حیّ دانا و قادر و قیّوم

نور او شمع ہائے عشق افروخت   تا بشد صد ہزار سرّ معلوم

از یکے حکم او جہان پر شد   عاشق و عشق و حاکم و محکوم

در طلسمات شمس تبریزی   گشت گنج عجائبش مکتوم

یہ مولینا روم ہیں، جنھوں نے شمس تبریز کو "گنج عجائب" لکھا ہے، اور خدائے قادر و قیم کی قسم کے بعد حضرت شمس کی توصیف و تعریف کرتے ہیں، مندرجہ بالا مدحیہ اشعار اور اس تعریف میں قطعی یکسانیت ہی ضرور ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مدحیہ اشعار اور وہ کلام جس کے یہ اجزا ہیں مولینا ہی کا ہے،

آخری شعر تو اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ کلام مولینا ہی کی زبان فیض اثر پر جاری ہوا ہے، آپنے کثرت مدح و ذکر سے بیتاب اور ناتوان ہو کر حضرت حسام الدین کو حکم کیا ہے کہ وہ مدح اس سلطان عشق کی کریں، حضرت حسام الدین کی عظمت اور مولینائے روم سے ان کے روابط کا اندازہ سپہ سالار کے اس بیان سے ہو سکتا ہے،

"ذکر رابع در خلافت حضرت حسام الدین عظم اللہ درجاتہ"

---

[۱] رسالہ سپہ سالار ص۶۷،

"بعد از شیخ صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ در حال حیات حضرت خداوندگار ازنہ سال تمام و بعد از ان نیز شیخ قائم مقام و خلیفہ و امام تمامت اصحاب حضرتش بود"

(سپہ سالار صـ۴۳)

صرف مولینائے روم ہی کے ساتھ حضرت حسام الدین چلپی کے تعلقات اس قدر عاجزانہ اور مودبانہ تھے[1]، کہ ان کے کوئی دوسرا شخص ان کو بطور حکم کچھ نہ کہہ سکتا تھا کیونکہ انکا مرتبہ یہ تھا

"تمامت اصحاب ملازم ایشان بودند و ملازمت او تقرب بحضرت خداوندگار می جستند"

(سپہ سالار صـ۴۳)

اس بیان سے واضح ہوگیا کہ سارے مدحیہ اشعار اس مداح کے ہیں، جس نے کثرتِ مدح سے تھک کر حضرت حسام الدین سے مدح کی فرمائش کی، اور تحقیق سے معلوم ہوا، کہ حضرت حسام الدین کو مدح کا حکم فرمانے والی مولینا روم کے سوا کوئی اور ہستی نہیں ہو سکتی، پس دیوانِ شمس تبریزؒ جو ایک حیثیت سے حضرت شمسؒ کی مدح کا مجموعہ اور ان کے مناقب کا ذکر ہے، وہ مولینائے روم کا کلام ہے، اور مولینائے روم ہی جسم و جان سے عشقِ شمس اور مدحِ شمس میں مضطر بنے ہوئے ہیں،

زہر عشق شمس الدین تبریز — شدہ جان مضطرب دین چو زبانست
شمس الحق دین چو یم من مدحت او گویم — از عشقِ رخش پویم آہستہ کہ سرمستم

---

[1] مولینا روم کے ساتھ ان کے مودبانہ طرز عمل کے متعلق سپہ سالار کا بیان ہو صـ۴۳ "از جملۂ آداب او آن بود کہ ہرگز در مدتِ ملازمت از حضرت خداوندگار قطعاً بتوضائی کہ بدیشان منسوب بود، در نیامد، در شبہائے زمستان بوجود سرما و برف و باران بسرائے خویش رفتے و تجدید وضو کردہ باز آمدی و دایم در حضور خداوندگار قدس سرہٗ بزانوے ارادت نشستہ بودی، لاجرم بدین ادب سلوک یافت انچہ یافت"

فیوض حضرت شمس کا اعتراف، ہم نے مدح شمس اوسکی نوعیت اور مداح شمس کے متعلق گفتگو کی ہے، حیرت یہ ہوتی ہے کہ مولانائے روم جیسا جلیل القدر عالم وعارف حضرت شمس کی مدح وثنا کیوں کرتا ہے، اور وہ بھی اس جوش عقیدت سے، کوئی شخص بے وجہ کسی کی ثنا وتعریف نہیں کرتا، یا تو کسی کا بحد ممنون ہوتا ہے، یا اسے کسی صلۂ خاص کی امید ہوتی ہے، درباری اور خوشامدی شعراء تو صرف طلب زر یا ہوس جاہ کے باعث اہل دولت کی مدح میں دل ودماغ زبان اور قلم کا زور صرف کرتے ہیں، لیکن حضرت رومی جیسے عارف حق شناس کو کسی ایسے اعتبار سے کیا سروکار" مولینا روم کو کوئی ایسا فیض باطنی اور نعمت عظمیٰ حضرت شمس کی ذات سے پہنچی ہوکہ انکی ثنا کر فطرت اوران کا قدرشناس دل اس کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکتا تھا،

مولانائے روم حضرت شمس کی ملاقات سے پہلے زیادہ تر حیثیت ایک عالم ظاہر کے "اخبار رسول" سے واقف تھے لیکن جب شمس سے ملاقات ہوئی، توخاص طور پر "اسرار رسول" کا آفتاب جہانتاب ان کے مطلع دل پر طلوع ہوا،

چون نور پاک شمس در پردۂ جان دیدمش ۔۔۔ بے پردہ جان یافتم سررشتۂ اسرار را

شمس کی اس فیض بخشی اور نوا فشانی کا اعتراف بارہا مختلف پیرایہ میں کیا ہے، ہم چند اہم مثالیں درج کرتے ہیں، جس سے حقیقت حال کا اندازہ ہو جائے گا،

حضرت شمس کے فیض معنوی کا اظہار فرماتے ہیں،

نگہ بر ز نور شمس تبریز ۔۔۔ تا کشف شود ہمہ معانی

شمس الحق تبریز من این نہد شکر ریز من ۔۔۔ صد شور شر انگندہ اندر دل شیدائے من

ہر کہ او با شمس تبریزی نشست ۔۔۔ گشت صافی دل ز انوار قصار

ز عشق شمس تبریزیست فیض دیدۂ باطن ۔۔۔ زہے تشریف کر متازہی انوار ربانی

سجدہ کن بہر نفس از پئے شکر آنکہ حق　　　در تبریزم مرا بندۂ شمس دین کند،

ہر کہ زجان و دل نشد چاکر شمس دین ما　　　در رہِ علم و معرفت غافل و کور می رود

بفروز شمع جان را زجمال شمس تبریز　　　کہ دلت شود مصفا زکدورت نہانی

و اگرنہ اے دو دیدہ بدہم زخاک تبریز　　　زبرائے کحلِ دیدہ بکف صبا غبارے

زرحیق شمس دینم تو بیار بادہ ساقی　　　کہ شود سوار جانے و دل پیادہ ساقی

چو شمس الدین تبریزی شود سرمست جام حق　　　ہزاران گوہر معنی بفرق ما فرو ریزد

مولینا یہاں اپنی ممنونیت کی انتہا ظاہر فرماتے ہیں،

منگر از دیدہ انکار سوئے دیدہ شمس　　　ہرچہ ہستم سگِ این کوچہ و این درگاہم

حضرت شمس سے اپنی نسبت کی نوعیت بیان فرماتے ہیں،

شمس تبریز کہ مشہور تر از خورشید است　　　منکہ پیمانہ ہستم چو قمر مشہورم،

شمس تبریز بما راہِ حقیقت نمود،　　　ما زفیض قدم اوست کہ ایمان دایم

جب حضرت شمس تبریز قونیہ تشریف لائے اور مولانا نے ان کی صحبت کیمیا خاصیت اختیار فرمائی تو یہاں اس صحبت نے خلوت کی صورت اختیار کی، شیخ صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کے سوا کسی کو خلوت میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی، اکثر اصحاب فیض صحبت سے محروم رہے، ایک مدت تک تحمل کرتے رہے، لیکن اس عالم فراق سے رہائی کی کوئی صورت دکھائی نہ دی، آخر کار بدبختی سے ان کے دلوں میں حسد کی آگ پیدا ہوئی، اور انھوں نے متعصبانہ حرکات شروع کر دیں، اپنی ارادت کو شیخ کی ارادت پر فضیلت دی فسق کو عشق جانا، جب ان کی گستاخیاں حد سے زیادہ گزر گئیں، اور اندیشہ فتنہ کا ہوا تو حضرت شمس از روئے مصلحت دمشق کی طرف روانہ ہو گئے، مولینا نے بھی سب سے متنفر ہو کر عزلت نشینی اختیار کی،

حضرت شمس کی جدائی کا ذکر دیوان میں،

"بعد از ہجرتِ ایشان خداوندگار از تمامت اصحاب انقطاع و عزلت اختیار کرد[1]"

حضرت شمس کے فیض اور ان کے دشمن کی بدبختی کا اظہار اس شعر مین کیا ہے،

اے شمس تبریزی مرا مقبولِ کامل ساختی　　　وآنکس کہ آہ دشمنت ملعونِ ابتر ساختی

ایک اور موقع پر حضرت شمس کے فیض کو اسطرح بیان فرماتے ہین،

جان را برآرد بر سما از عزّتِ ربّ العلا　　　گر زان کہ شمس الدین کند بر عاشق خو یارِ دے

مولانا ہی وہ عاشق تھے، جن کی یاری اور دلداری کی خاطر حضرت شمس قونیہ تشریف لائے، سپہ سالار کی شہادت ملاحظہ ہو،

"سببِ ہجرت مولینا شمس الدین تبریزی عزاسمہ بطرف روم و پیوستن بحضرت خداوندگار آن بود کہ وقتی مولینا شمس الدین در وقت مناجات می فرمود کہ ہیچ آفریدہ از خاصانِ تو باشد کہ صحبتِ مرا تحمل تواند کردن، در حال از عالمِ غیب اشارت رسید کہ اگر حریف خواہی بطرفِ روم سفر کن در حال ازان جاے متوجہ ولایت روم گشت و شہر بشہر جویان گشت تا بمحروسہ قونیہ حرسہا اللہ تعالیٰ برسید"

دیوان میں ایک اور شعر ہے، جس میں اسی واقعہ اور اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے،

شمس تبریزی بروم آمد بر من شام بُو　　　وقت صبحی من بہ تبریزش خرامان یافتم

اپنی سرمستی اور باطنی انقلاب کے متعلق لکھتے ہین،

شمس الحق تبریزی تا داد مرا جامے　　　از جوششِ صہبایش شوریدہ و سرمستم

اگر آپ معلوم کرنا چاہتے ہین، کہ یہ شوریدہ و سرمست کون ہے، تو دیوان میں خود

[1] سپہ سالار صفحہ ۶۶،

ہی جواب دیتے ہین،

رومی بسر راہ ملامت شد تو نشست　　　اے خلق بدانید کہ ما عاشق و مستیم،

حضرت شمس کی ملاقات کا اثر، مولینا کی شاعری پر اسکا ذکر دیوان مین

مولینا کی شمس سے ملاقات نہ صرف عاشقانہ مستی و شوریدگی کا باعث ہوئی، بلکہ سخن بخش بھی ثابت ہوئی، سماع اور شعر کا مشغلہ بڑھ گیا، جو کیفیت طاری ہوتی تھی، اسے من وعن اشعار مین بیان کرتے تھے،

سخن بخش زبان من چو باشد شمس تبریزی　　　تو خامش تا ز بانہا خود چو دل حامی آن باشد

ان اشعار اور اس بیان کا واقعات اور سوانح سے جو ربط ہے، ملاحظہ ہو،

سپہ سالار کا بیان ہے کہ صحبت شمس سے مولینا پر ایسی شوریدگی اور مستی طاری رہی کہ کھانے پینے کا بھی ہوش ٹھیک نہ رہا۔ چنانچہ پہلی ملاقات کا حال لکھا ہے:۔

"در حال ہر دو فرو آمدہ ہمدیگر را معانقہ و مصافحہ کردند و چون شیر و شکر بہم در آمیختہ چنانکہ دفعہ اول مدت شش ماہ آزاد در شیخ حجرہ شیخ صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ علیہ بہم صحبت فرمودند چنانکہ قطعاً و اصلاً اکل و شرب و حاجات بشری در مابین نبود"،

(سپہ سالار ص ۶۶)

یہ شوریدگی کا عالم تھا، اب سخن سرائی اور محفل سماع کی کیفیت سنئے، :۔

"بعد ازان بیرون آمدہ حضرت خداوندگار را بسماع رغبت فرمود، و حقائقے کہ در شرح آن طول و عرضے ہست در سماع بدیشان بیان فرمود و بعد از سماع صحبت ایشان مخصوص بود و بمولانا شمس الدین"،　　　(سپہ سالار ص ۶۶)

مناقب کا بھی یہی بیان ہے،

"دائما اسرار در غزلیات می فرمود"　　　(مناقب العارفین مطبع ستارہ آگرہ ص ۲۹۲)

مثنوی میں فیضِ شمس کا ذکر۔ مثنوی میں بھی حضرت شمس سے فیض کا ذکر مختلف مقامات پر ہے،

واجب آمد چون کہ بردم نامِ او ، شرح کردن رمزے از انعامِ او

از دو اِر سایہ نشانے می دھد ، شمس بردم نور جانی می دھد

این نفس جان دامنم بر تافتہ است ، باز گو رمزی از ان خوش حالہا

تا زمین و آسمان خندان شود ، عقل و روح و دیدہ صد خندان شود

من چہ گویم یک رگم ہوشیار نیست ، شرحِ آن یارے کہ آن را یار نیست

شمس در خارج اگرچہ ہست فرد ، مثل او ہم می توان تصویر کرد

لیک آن شمسے کہ شد مستش اثیر ، نبودش در ذہن و در خارج نظیر

ان اشعار سے یہ امر بالکل عیان ہو جاتا ہے کہ حضرت مولینا روم رحمۃ اللہ علیہ کس آفتاب کے فیض کا ذکر کرتے ہیں، اور ان میں اور شمس میں کیا ربط ہے، دیوان میں جو اس نوعیت کے اشعار پائے جاتے ہیں، ان میں فیض رساں کون ہے اور فیضیاب ذات کس کی ہے،

بالآخر ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ دیوان شمس تبریز جس میں اعتراف احسان اور تشکرِ فیضانِ شمس کے مندرجہ بالا اشعار پائے جاتے ہیں، مولینا روم ہی کا کلام ہے، شمس کا نہیں ہے،

دردِ فراق کا اظہار، حضرت شمس کی مدح اور ان کی فیض رسانی کے اعتراف میں جو جو اشعار ہیں، وہ تو نظر سے گذر چکے، اور سوانح تاریخی کی روشنی میں یہ بھی ظاہر ہو گیا، کہ مدح کرنے اور فیض پانے والی ممنونِ احسان شخصیت کس کی ہے،

اب ہم ایسے اشعار کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، جو حضرت شمس کی نامعلوم غیر متوقع جدائی پر لکھے گئے ہیں، ان میں آتشِ فراق اور دل کے اضطراب کی تصویر ہے،

زہے چشم مرا حاصل شدہ آئینِ خونریزی ، زہجرانِ خداوندی شمس الدین تبریزی

اندر طلب تو شمس تبریزؔ، جائز است مدام جست وجوئی،

ز شمس الدین دلا بس دور دوری ز دوری گوئی ہمچو نفخ صوری

اس نظم فراق میں یہ جو رنگ ہے، وہ خونِ جگر ہی کا نتیجہ ہے،

خود بین در نظم شعرم منگر بہرا نکو، دیدہ و دل را ز عشقش ہست خون پالائے،

خون می جوشد منش از شعر رنگے می دہم نافہ خون آلود گردد جامہ خون آلائے

من چون جانداری بدم در خدمت آن بادشاہ اینک اکنون در فراقش میکنم جان سائے،

غمِ فراق دردِ بے دوا ہے،

از فراقِ شمس دین افتادہ ام در تنگنا او مسیح روزگار و درد چشم بے دوا

تا شمس تبریزی زمن دل بردہ اے شوریدگان ہر روز از عشق رخش شوریدہ شوریدہ ترم

حالتِ جدائی میں بادِ صبا کے ذریعہ سلام اور پیام بھیجتے ہیں،

باد صبا سلامِ ما جانبِ شمس دین رسان کز نظر قبول او راہ بقا بسر برم،

الا اے شمس دین یکدم عیاں شو، کہ در عشقت سرے دارم چون گوئی

دردِ فراقِ شمس کی منظوم تصویر تو دیوان میں ہم نے دیکھ لی، لیکن سوال یہ ہے کہ وہ عاشقِ بیتاب کون ہے جو ہجرانِ شمس میں خونریزی کر رہا ہے، جس کی جستجو میں وہ مجسم طلبِ دوام بنا ہوا ہے، جس کی شوریدہ سری اور خونچکانی کا یہ عالم ہے، کہ کلام سے یہ رنگ صاف ظاہر ہے، ہم تاریخ و تذکرہ سے دریافت کریں کہ وہ کون ہستی ہے، جس کی فراقِ شمس میں یہ حالت ہوئی، تو امید ہے کہ ہمیں جواب شافی مل جائے گا، سپہ سالار حضرت شمس اور ان کے اصحاب کا معتبر ترین تذکرہ ہے لیکن اس میں کسی کے متعلق یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ جدائی شمس سے انکا ایسا حال ہوا، اور ان کی بیتابی کی یہ کیفیت ہوئی البتہ مولانائے روم کے دردِ جدائی شمس کے متعلق سپہ سالار کا یہ بیان ہے،

"صحبت ایشان بخصوص بود بمولانا شمس الدین بدان سبب اکثر اصحاب از بندگی حضرت ایشان محروم می ماندند، و مدتے بسیار تحمل می کردند، مگر جراحات بعد را مرہم قرب اندمالی بخشند ہرگز ممکن نہ شد، لاجرم بواعث حسد در نفوس ایشان مستمر گشت ..... عاقبت غبار انکار را بروے کار آوردند و فسق راعشق شمردند، حضرت شان از غبار انکار آن جماعت برہم نمی شد ..... چون از حد تجاوز کردند دانست کہ بعضے خواہد شدن بفتنہ بسیار جہت مصلحت وقت علی حین الغفلہ بمحروسہ دمشق ہجرت فرمود، بعد از ہجرت ایشان خداوندگار از تمامت اصحاب انقطاع و عزلت اختیار کرد..... ناگاہ از حضرت مولینا شمس الدین بخداوندگار از محروسۂ دمشق مکتوب آمد بعد ازان حضرت خداوندگار در شوق عشق آنحضرت باز بسماع شد و کلمات و غزلیات انشا فرمود"

تذکرہ و واقعات مین یہ حال سوائے مولانائے روم کے کسی اور سے منسوب ہی نہین، اور یہ غزلیات وہی ہین جنسے درد فراق اور غم جدائی کے چند اشعار ہم نے بطور مثال دیوان سے منتخب کر کے لکھے ہیں، حقایق حیات اور اشعار کا یہ واضح ربط اس امر کی کھلی ہوئی داخلی شہادت ہے کہ دیوان شمس تبریز حضرت شمس کا کلام ہرگز نہیں، بلکہ ان کے جان نثار و عاشق مولینا روم کا کلام ہے،

ابھی سپہ سالار کے بیان سے معلوم ہوا کہ جب دمشق سے ان کے نام حضرت شمس کا خط آیا تو مولانا کو انکا پتہ لگا، اور یک گونہ اطمینان ہوا، دیوان مین اس مضمون کا ایک شعر ہے،

رسید مژدہ بہ شام است شمس تبریزی　　چہ صبحہا بہ نماید اگر بہ شام بود،

مولینا اس حال میں مقیم تو تھے قونیہ میں لیکن دل انکا دمشق مین تھا چنانچہ دیوان سے انکی بھی شہادت ملتی ہے

ما عاشق سرگشتہ و شیدائی دمشقیم　　جان دادہ و دل بستۂ سودائی دمشقیم،

از روم بتازیم دگر بار سوے شام　　کز طرۂ چون شام مطرائی دمشقیم

از مسکن معروف چو بگرفت دل ما　　ما طالب تالیف زابنائے دمشقیم

(کلیات شمس تبریز ص ۴۷۸)

اسکے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ سلطان ولد مع ایک مختصر جماعت کے طلب شمس کیلئے بجانب دمشق روانہ ہوگئے اور مولینا نے کئی غزلین لکھکر خدمت شمس میں روانہ فرمائین،

"حضرت خداوندگار قدس سرہٗ این غزل را در طلب حضور شریف مولینا شمس الدین رضی اللہ عنہ انشا کردہ بصحبت سلطان ولد رضی اللہ عنہ ارسال فرمود،

بخدا این کہ در ازل بودست، حیّ و دانا و قادر قیوم،

اسی سلسلہ میں ایک شعر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف یہ ایک غزل نہیں تھی اور بھی غزلیات تھین،

پس بہ ذوق سماع نامہ تو! غزلے پنج و شش بشد منظوم،

(سپہ سالار ص ۶۰)

دیوان میں اسی واقعہ سے متعلق ایک غزل ہے کہ جس کا ایک شعر یہ ہے:-

ز لوح عشق نوشتیم این غزلہا را، بہ شمس مفخر تبریز ازین غلام برید

حضرت شمس کی قونیہ کو واپسی، جب سلطان ولد حاضر خدمت ہوئے اور مولینا کا سلام و پیام پہنچایا، تو حضرت شمس نے قونیہ کا عزم فرمایا،

"سلطان ولد با تمامت یاران بندگیش در آمدہ سر بسجدہ عبودیت نہادند و سلام حضرت خداوندگار و مکتوب رسانیدند، مولینا شمس الدین بخندہ خوش فرمود، ما را بسیم و زر چہ میفریبید، ما را طلب مولینائے محمدی سیرت کفایت است، و از سخن و اشارت او تجاوز چگونہ توان کردن ..... چون مصالح تمام شد عنان عزیمت بطرف قونیہ روان فرمودند..... چون خبر وصول ایشان بقونیہ برسید حضرت خداوندگار با تمامت اکابر و عالم باستقبال بیرون آمدند،..... ہر دو آفتاب حقیقت بہم دگر قرآن کردند..... حضرت خداوندگار قدس سرہ بیش از اول بحضرت مولانا شمس الدین قدس اللہ سرہٗ در آمیخت"

دیوان میں حضرت شمس کی قونیہ کی واپسی پر جگہ جگہ مسرت و خوشی کا اظہار پرجوش طریقہ پر کیا گیا ہے،

مسکیں دل وآوارہ آن گم شدہ یکبارہ — چون بشنود این چارہ خوش رقص کنان آمد
بہار آمد بہار آمد بہارِ خوش عذار آمد، — خوش و سرسبز شد عالم اوان لالہ زار آمد

صنوبر گفت راہ سخت آسان شد بفضل شہ — کہ ہر برگے کہ سربرزد چو تیغ آبدار آمد
ز شمس الدین تبریزی رسد بادم بنوروزی — کہ ہر قطرہ ازان جرعہ چو در شاہوار آمد
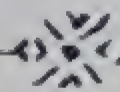
بہار آمد بہار آمد بہارِ مشکبار آمد — نگار آمد نگار آمد نگار بردبار آمد
سماع آمد سماع آمد سماعِ بے صداع آمد — وصال آمد وصال آمد وصالِ پایدار آمد
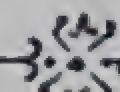
صلا یا ایہا العشاق کان مہر و نگار آمد — میان بندید عشرت را کہ یار اندر کنار آمد

مہِ دی رفت و بہمن رفت ساقی نوبہار آمد — زمیں سرسبز و خرم شد اوانِ لالہ زار آمد
الا اے شمس تبریزی توئی سبزی ہر بستان — شقائقہا و ریحانہا ز خوبت خوش عذار آمد

حضرت شمس کی واپسی کے بعد ایک عرصہ تک علم و عمل اور ذوق و حال کی مجلس نہایت گرم رہی؛

"مدتے بسیار بریں سیاق از وفاق بے نفاق روز و شب در ذوق و جمعیت می بودند"

شب و روز بصحبت یک دگر مستغرق می بودند"

(سپہ سالار صٓ٦)

اتفاقاً پھر بعض اصحاب کو حضرت شمس کی طرف سے خلش ہوئی، ان میں علاء الدین چلپی مولنا کے فرزند متوسط بھی تھے، یہ لوگ حضرت شمس کے استخفاف پر آمادہ ہوئے، اور موجب انفعال حرکات ان سے سرزد ہوئے، حضرت شمس کمال حلم سے خاموش رہے، لیکن ایک دن سلطان ولد کو اشارۃً اس حال کی طرف توجہ دلائی، اور اسی دوران میں غائب ہو گئے،

"دران مدت ناگاہ غیبت فرمود حضرت خداوندگار رگی الصباح چون در مدرسہ آمد، و خانہ را از ایشان خالی یافت، چون ابر بخرشید وروز و شب در فراق آنحضرت غزلیات بیان می آوردند" (سپہ سالار)

| دمشق کی طرف حضرت شمس کی دوبارہ واپسی، دیوان میں اوس کی شہادت، |

دیوان میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے،

شہ شمس تبریزی مگر چون باز آمد از سفر یک چند بودا اندر شہر شاہ ہمچو عنقا بے نشان

آخر کار درد ہجر کی شدت سے بیتاب ہو کر حضرت شمس کی تلاش میں مولنا دمشق تشریف لے گئے، کئی اصحاب بھی ہمرکاب سعادت تھے،

"حضرت خداوندگار عظم اللہ ذکرہ جہت حکمت و مصلحت بطلب ایشان باتمامت عزیزان و مقربان بمحروسۂ دمشق رفتند" (سپہ سالار ص ۶۹)

| مولنا کا سفر دمشق، دیوان میں اس واقعہ کا اظہار، |

دیوان میں اس سفر کے متعلق یہ شعر ہے:-

از حد چو بشد در دم در عشق سفر کردم یارب چہ سعادتہا کز این سفرم آمد

تاریخ اور دیوان کے اس ربط سے ہمارے اس دعوی کی مزید تصدیق اور تائید ہوتی ہے کہ دیوان شمس تبریز مولنائے روم کے ابیات کا مجموعہ اور انہی کے جذبات کی ترجمانی ہے،

غزل را از زبان شاہ گفتم کہ شاہم جز کہ جو یارا نخواہد،

چند مزید قطعی شہادتین

ابتک داخلی ثبوت مین جو براہین ہم نے پیش کئے ہین، ان کے اثبات کیلئے تاریخ و تذکرہ سے مقابلہ کرنا پڑا لیکن ذیل مین ہم ایسے دلائل پیش کرتے ہین، جو اپنے آپ اس امر کے قطعی شواہد ہین، کہ دیوان شمس تبریز مولانائے روم کے افکار کا مجموعہ ہے،

ہم نے گذشتہ بحث میں یہ بیان کیا ہے، کہ مولینا اپنے اشعار مین اپنا نام یا تخلص باندھنے کی رسم عام کے پابند نہیں ہیں، اکثرت غزلیات میں تو حضرت شمس کا نام آیا ہے لیکن یہ ثابت ہوگیا کہ اسکی نوعیت صاحبِ کلام شاعر کے تخلص کی بالکل نہیں، بلکہ وہ ہر جگہ "اسم ممدوح" کی حیثیت رکھتا ہے، اسکے برعکس جیسے مثنوی مین بھی مولینا کی عادت ہے، دیوان مین بھی کہیں کہیں کسی موقع پر اپنا تخلص و نسب (رومی یا ملائے رومی یا لقب مخفف (جلال) یا خطاب (مولینا) لکھدیا ہے، جو اس امر کی قطعی شہادت ہے، کہ دیوان مولینا کا کلام ہے، کیونکہ اگرچہ ان کا نام چند مواقع پر آیا ہے لیکن اسکی حیثیت ممدوح کی سی نہیں جیسے باوجود کثرتِ ذکر کے حضرت شمس کے اسم کی حیثیت ہے، بلکہ یہ نام اس طرح استعمال ہوا ہے جیسے کسی شاعر کا نام یا تخلص اسکے کلام میں آتا ہے،

مولینا دیوان میں اپنی طرف بلفظ مولینا اشارہ کرتے ہوئے اپنی محفلِ سماع کا ذکر اسطرح فرماتے ہین،

سماعی می رود در مجلسِ ما	کہ ذوقش می کند هفت آسمان طے،
شراب و شاہد و شمع است مجلس،	نوائے ارغنون و نالۂ نے،
درِ مے خانۂ باقی کشادیم،	صلا در دہ آیا ساقی مگو کے،
دریں دریائے توحیدش شدم گم	نہ بے وے می توان بودن نہ با وی
چو مولینا برقص آید ز مستی،	برقص آید موجودات با وے

مقطعاً اپنے آپ کو شاعرانہ طور پر غیر فرض کرکے اور اس کا اعتراف فرماتے ہیں، کہ یہ سب کچھ ان کو حضرت ہی کے طفیل سے حاصل ہے،

نہ مولیناست ایں بحر درافشان　　　حقیقت شمس تبریزی ست باوے

حضرت شمس کا نام بار بار دیوان میں کیوں آتا ہے، اس حقیقت کو بے نقاب فرماتے ہیں،

نام شمس الدین تبریزی ہمی گوہر دے　　　تا بگیرد شعر و نظمت رونق و رعنایے

اس مضمون کے دو شعر اور ہیں، :-

برخوان تو حدیث شمس تبریز،　　　خوش باش ازین وآن بہ پرہیز

مفخر تبریز جان شمس حق اے یار ما　　　رونق گفتار مائی اے زینت اشعار

دیوان کو دیکھئے تو یہ ان دونوں صفات کا حامل ہے، جو کہ ان دو اشعار میں بیان کئے گئے ہیں، دیوان میں جذبات محبت کی جو شدت ہے، حضرت شمس ہی کی وجہ سے ہے، جوش عقیدت کے جو مضامین باندھے گئے ہیں، وہ دیوان کی رونق و رعنائی میں اضافہ کرتے ہیں،

ایک خاص ثبوت، | ایک نصیحت آمیز غزل کے چند اشعار یہ ہیں :-

ای ز اقلیم عدم آمدہ در ملک وجود　　　ہیچ دانی کہ ترا آمدن از بہر چہ بود

بندۂ بادشہی شاہ فرستاد ترا　　　تا تو خود را بشناسی و بدانی معبود

اس ناصحانہ کلام کے مقطع میں ارشاد ہوتا ہے،

این نصیحت کہ شنیدی سخن مولیناست　　　گفت شمس الحق تبریز بدنیسان فرمود

اپنا حال | ایک غزل اپنے متعلق لکھی ہے، جس کا مطلع ہے،

وقت سحرگہ از درم ملای رومی میرسد،　　　قم گفت اے دیوانگان ملای رومی میرسد

گفتم کہ تو دیوانہ گفتا تو ہم دیوانہ شو　　　از خویشتن دیوانہ شو ملای رومی میرسد

مقطع میں بھی حضرت شمس سے خطاب ہے،

ای باد صبح آخر بگو با شمس تبریزی خود　　　طبل و علم بر عرش بر ملای رومی میرسد،

اپنے آپ کو مطرب شمس کی حثیت سے ان کی مدح مین ایک غزل لکھنے کا حکم دیتے ہین،

ای مطرب شمس دین بگواین غزل از برائے ۔۔۔ تا دل وجان ودیدہ را برسرنائی ودف کند

شمس تبریز اور مولینا کا ربط، دیوان میں مولینا نے اپنے اور شمس تبریز کے ربط کا بکثرت مختلف پیرایہ مین اظہار فرمایا ہے، ایک موقع پر فرماتے ہیں،

شمس تبریز است مولانائے روم، ۔۔۔ جملہ عالم عاشقان را سود باد،

رومی روز بعد ہزیمت چہ دست یافت ۔۔۔ از تخت ملک زنگی شب را فروکشید

شما ایمان نگاہ دارید محکم ای مسلمانان ۔۔۔ کہ مولانائے رومی شود مسلمان بو کافر شد

مولینا نے سلطان ولد کو بھی حضرت شمس کی عقیدت وارادت کے سپرد کر دیا، جو ان کے محبوب ترین فرزند تھے، فرماتے ہین،

چو مولینا و لدرا داد بخشش، ۔۔۔ ازین پس ہیچ دنیا را نخواہد،

مولینا اکثر غلبۂ حال کے وقت اشعار اور غزلیات لکھتے تھے، ان میں انکے جوش عشق کا تو اظہار پوری طرح ہوتا ہے، لیکن حسن بیان، اور شعر کے ظاہری محاسن کی انھیں کچھ پروا نہین، اسپر خود ہی اظہار خیال فرماتے ہین،

شمس تبریز بجز عشق زمن ہیچ مجوئے ۔۔۔ زان کسے داد سخن جو کہ سخندان باشد

ایک شعر میں مولینا رومی اپنا آپ اقرار فرماتے ہین، کہ مولینا رومی کون ہین، جس سے اس لفظ کے متعلق شک وشبہہ دور ہو جاتا ہے،

مولانۂ رومی منم سلبت کن شیطان منم ۔۔۔ تازہ کن ایمان منم دم ز اللہ ہوز نم

ہم پیرم و برناستم پیر استم برناستم ۔۔۔ پنہا منم پیدا منم من میر مولاناستم

بوئے خمش را در کوزہ فقاع کرد؟ ۔۔۔ شد ہزاران ترک رومی بندۂ ہندوئے خم

ایک غزل میں حضرت شمس کے ساتھ اپنی وابستگی کا اظہار بڑے جوش سے فرماتے ہیں،

گر بزنی خنجرم جز رہ عشق نسپرم ـــــ روی خستہ خاطرم دست تست و دامنت

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مولینا کس کے دامن کے متعلق فرمارہے ہیں یعنی "دامنت" میں کس سے خطاب ہے، جواب دوسرے شعر میں ہے،

شمس جلال من توئی صبح وصال من توئی ـــــ واقف حال من توئی دست تست و دامنت

مولینا کا تخلص۔ مولینا کا کوئی تخلص خاص طور پر معین نہ تھا، کہیں مولینا کہیں رومی استعمال کرتے ہیں، کہیں اپنے لقب جلال الدین کا پہلا جزو لفظ جلال استعمال کرتے ہیں، سپہ سالار میں ایک شعر نقل کیا گیا ہے[۱]

چگونہ بر نپرد جان چو از جناب جلال، ـــــ خطاب لطف چو شکر بجان رسد کہ تعال

دیوان میں بھی اس کا استعمال بعض مواقع پر کیا ہے،

گر تو شوی تابع مولینا جلال ـــــ اظہر شمس است یقین رہبرم

بگفتمت مرو آنجا کہ ناگہاں چو جلال ـــــ میان فتنہ بے حد و منتہات نہند

اس غزل کی قطعیت پر ایک دلیل مزید یہ ہے، کہ مناقب العارفین میں شعر کیساتھ ساتھ اس امر کی تصریح ہے کہ مولینا نے اسے کس محل پر فرمایا[۲]،

ایک خاص دلیل۔ واقعات سے ظاہر ہوتا ہے، کہ حضرت شمس کی خاطر مولینا سخت امتحان اور آزمائش میں مبتلا ہوگئے تھے، بیٹے علاء الدین اور دیگر عزیزوں سے تعلق منقطع کرلیا، انکی طرف دیوان میں اشارہ فرماتے ہیں،

خاموش کہ بہر شمس تبریز، ـــــ در کوزۂ نار امتحانم،

---

[۱] سپہ سالار صـ۵۶، [۲] سپہ سالار ص ۶۸، ۶۹ مناقب العارفین میں بھی یہ حال تفصیل سے درج ہے،

مولینا کا ایک خاص اقرار | اس بحث سے جو ہمارا مدعا ہے، مولانا نے اسے خود فرمایا ہے،

غزل را از زبانِ شاہ گفتم، 　　که شاہم جز که جو یارا نخواہد،

یہ سوال ہو سکتا ہے کہ "شاہ" سے مراد کون ہے، دیوان ہی میں مولانا اس کا جواب دیتے ہیں، کیونکہ مولانا اس لفظ سے بکثرت حضرت شمس تبریز کو مخاطب فرماتے ہیں،

از شاہ عالم شمس دین بہ پیام آمد نازنین 　　کز جان برو انگه نشین در مقعد صدق صمد

جان جہان و فخر دین تبریز شاہ شمس دین 　　زان قربت عین الیقین برجان و دل محکم زند

یہ قطعی شواہد تھے، جن سے یقین کامل ہوتا ہے، کہ دیوان شمس تبریز مولانا ہی کا نتیجۂ فکر ہے،

ان کے علاوہ کئی اور مختلف نوعیت کے شواہد ہیں، جو اثباتِ مدعا میں معاون ہیں،

مولینا کے معاصرین و مریدین اور ان کا تذکرہ دیوان میں، حضرت صلاح الدین زرکوب کی تعریف | حضرت مولانا صلاح الدین مولینا کے برادرانِ راہ اور خاص رفقاے بزم میں ہیں، یہ بھی حضرت کے فیض یافتہ تھے حضرت شمس اور مولینا کی خلوت میں، انہی کو رفاقت کا شرف حاصل ہوا تھا، حضرت شمس کی جدائی کے بعد مولینا نے انہی کی صحبت میں سکون پایا،

"بعد از غیبت مولینا شمس الدین تسکین و آرام بحضرت شان یافتند"،

دیوان میں اس صورتِ حال پر ایک غزل ہے،

آفتابے تافت بر دل از حجاب کبریا 　　شعلۂ آن نور بگیر طلعتِ شمس الضحیٰ

اے خداوند شمس دین یکدم بلطف و مرحمت 　　با من سرگشتہ و مجنون و شیدائی درآ

لیکن پھر اپنے آپ کو تسلی دیتے ہیں،

آن ضیا نور ست روشن از حسام الدین ما 　　با صلاح الدین که ذاتش نور بخش اولیا

ان سے تعلق نہ صرف روحانی تھا، بلکہ وہ مولانا کے رشتہ دار بھی تھے، اسلئے کہ مولینا نے سلطان ولد کا نکاح انکی صاحبزادی کیساتھ کر دیا تھا، سپہ سالار کا بیان ہے،

"حضرت خداوندگار را با شیخ تعلقی و موانستی تمام بود"،

مولینا کی نظر میں ان کی عزت و عظمت بھی بہت تھی،

"پیش از خلافت چلپی حسام الدین رجوع ہمہ مریدان بحضرت او بود"

سلطان[1] ولد نے بھی ان تعلقات اخلاص و محبت کا ذکر اپنی مثنوی میں کیا ہے، ایک دن مولینا شمس کے فراق میں بازار کی طرف نکلے، راستہ میں شیخ صلاح الدین کی دوکان پر سے گذر ہوا، وہ زرکوبی میں مشہور تھے، مولینا پر اس آواز سے حالت وجد طاری ہوئی، انھوں نے یہ حال دیکھکر اپنا شغل جاری رکھا، اور نقصان زر کی فکر نہ کی، مولانا ہم آغوش ہو کر جوش اور مستی میں یہ شعر پڑھنے لگے،

یکے گنجے پدید آمد ازیں دوکان زرکوبی زہے صورت زہے معنی زہے خوبی زہی خوبی

کلیات[2] میں بھی یہ شعر موجود ہے،

یکے گنجے پدید آمد ازین دوکان زرکوبی زہے صورت زہے معنی زہے خوبی زہی خوبی

(کلیات شمس تبریز ردیف ی)

ان کی موت کا مولینا کو بیحد رنج ہوا، چنانچہ سپہ سالار لکھتے ہیں کہ

"حضرت خداوندگار عظم اللہ ذکرہ در فوت ظاہر ایشان رقت بسیار فرمود، بعزت و تعظیم ہرچہ با تمامت اعاظم و اکابر قونیہ تشیع جنازہ کردند، و این غزل را در ثواب جمال ایشان انشاء فرمودند"

[1] مثنوی سلطان ولد نسخہ قلمی در بیان مناقب صلاح الدین زرکوب، [2] سپہ سالار ذکر صلاح الدین زرکوب فیہ مافیہ مطبع معارف، [3] کلیات شمس تبریز ص ۹۹۷، ردیف ی،

اے ز ہجرانِ فراقت آسماں بگریستہ   دل میانِ خوں نشستہ عقل و جاں بگریستہ

یہ غزل کاملاً دیوان شمس تبریز میں موجود ہے، ہم چند اشعار مثالاً درج کرتے ہیں،

اے ز ہجرانت زمین و آسمان بگریستہ   دل میانِ خون نشستہ عقل و جاں بگریستہ

شہ صلاح الدین برفتی اے ہمائے گرم رو   ہم کسے باید کہ داند بر کساں بگریستہ

بر صلاح الدین چہ داند ہر کسے بگریستین   از کمان جستہ چو تیرے واں کمان بگریستہ

رسالہ سپہ سالار میں ایک اور غزل حضرت زرکوب کی تعریف میں ہے،

مطربا اسرارِ مارا باز گو،   قصہ ہائے جانفزا را باز گو،

ماد ہان بر بستہ امروز از و،   تو حدیثِ دل کشا را باز گو،

مخزنِ انا فتحنا بر کشا ،،   سرّ جانِ مصطفیٰ را باز گو،

چون صلاح الدین صلاح جان ماست   آن صلاح جانہا را باز گو،

دیوان میں بھی یہ غزل موجود ہے،

صلاح الدین کی تعریف میں یہ اشعار قطعی طور پر مولینا کے ہیں، اور دیوان شمس تبریز میں پائے جاتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہو کہ دیوان شمس تبریز مولیناہی کا کلام ہے تذکرہ نویسوں نے حضرت زرکوب کی جو تعریف و توصیف کی ہے، اس غزل میں اس کا ذکر کیا ہے، اگر حضرت شمس کے اشعار ان کی تعریف میں ہوتے، تو اس کا بھی ضرور ذکر کیا جاتا، کیونکہ سپہ سالار میں حضرت شمس اور زرکوب کے ربط و تعلق کا ذکر موجود ہے، اصل میں مدحیہ اشعار اس تعلق کا آئینہ ہیں، جو حضرت زرکوب اور مولانائے معنوی میں تھے،

ان اشعار کے علاوہ کلیات میں حضرت زرکوب کے مناقب میں کئی اور اشعار ہیں، جو اس خیال کی تائید و توثیق کرتے ہیں،

شمع دو جہان صلاح دین است　　　کاندر دو جہان غریب و تنہاست

چون صلاح الدین بوجد اندر بیاید نزد ما　　　شکر گفتم کان رفیق با صفاست آمدست

فرماتے ہیں کہ صلاح الدین کی صحبت سے فساد باطن رفع ہو جائے گا،

چون رسیدی بخدمت صلاح الدین،　　　گر فسادی شوی صلاح آئی

از شاہ صلاح الدین چون دیدہ شود حق بین　　　دل رو بصلاح آرد جان مشغلہ برباید

دوش در خواب بدیدم صلاح الدین را　　　گسترد سایہ دولت چو ہمائے برسد

جان حق است شاہ صلاح الدین　　　کو ز اسرار کردگار بود،

لطفہائے کہ با ما شہ صلاح الدین کند　　　خضر جان گر باز بیند دم بدم تحسین کند،

حضرت حسام الدین چلپی کی تعریف، حضرت صلاح الدین زرکوب کے بعد مولینا کے رفیق خصوصی حضرت حسام الدین چلپی ہوئے، بنہایت صدق شعار اور ادب شناس واقع ہوئے تھے، طبع کریم اور سیرت حلیم پائی تھی، گفتگو میں جامعیت تھی، اور علم حال سے اصحاب قال کی مشکلات حل فرماتے تھے، مولینا سے مودت واخوت، عقیدت، اور ارادت کے خاص تعلقات تھے، سپہ سالار کا بیان ہی،

"بعد از شیخ صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ ودر حال جناب حضرت خداوندگار دہ سال تمام و بعد از ان نیز شیخ وقائم مقام وخلیفہ وامام تمامت اصحاب حضرتش بود، وتمامت اصحاب ملازم ایشان بودند و بملازمت او تقرب بحضرت خداوندگار می جستند[1]"،

حضرت مولینا کے صفات کے مظہر تھے، مثنوی معنوی انھی کی تحریک پر لکھی گئی تھی، مولینا نے مثنوی میں سوائے دفتر اول کے ہر دفتر کے آغاز میں خصوصیت اور تصریح کیساتھ ان سے خطاب کیا ہے، اور متعدد مقامات پر نہایت جوش اور ذوق کے ساتھ ان کی تعریف و توصیف کی ہے ان سے نہایت محبت و خلوص کا اظہار کیا ہے، جیسے کوئی مرید عقیدت مند اپنے مرشد کا ذکر کرتا ہے

[1] سپہ سالار ص ۷۲،

یہی حال زندگی کے تعلقات میں بھی تھا،

"حضرت خداوندگار سلوک بدیشاں بوجہی فرمود کہ کسے گمان بردی کہ مرید ایشان است"
وبحقیقت مظہر تمام حضرت خداوندگار ما بود، وتمامت مثنویات بالتماس ایشان مؤلف گشتہ
است،....... دربیان مثنویات حقایقے کہ مکتوب است اشارت بسلوک چلپی دارد"
.....دیباچہ تمامت مثنویات مزین است، بالقاب شریف او[۱]

مثنوی[۲] سے نمونہ کے طور پر چند مدحیہ اشعار ہم درج کرتے ہیں،

خوشتر آن باشد کہ سرِ دلبران | گفتہ آید در حدیثِ دیگران،

اس شعر میں اشارہ شمس تبریز کی طرف ہے، لیکن شعر حسام الدین کے اس اصرار کا جواب ہے، کہ کلام میں شمس تبریز کے حالات وضاحت سے بیان کئے جائیں،

دفتر دوم کا دیباچہ اس طرح شروع ہوتا ہے،

مدتے ایں مثنوی تاخیر شد | مہلتے بائیست تا خون شیر شد
چوں ضیاء الحق حسام الدین عناں | باز گردانید ز اوجِ آسماں
چوں بمعراجِ حقایق رفتہ بود، | بے بہارش غنچہا نشگفتہ بود،

دفتر سوم میں ہے،

اے ضیاء الحق حسام الدین بیار | ایں سوم دفتر کہ سنت شد سہ بار

چوتھے دفتر میں یوں خطاب فرماتے ہیں،

ہمچناں مقصود من زیں مثنوی | اے ضیاء الحق حسام الدین توئی

دفتر پنجم میں فرماتے ہیں،

[۱] سپہ سالار صہ ۲، [۲] مثنوی مولانا روم کامل مطبوعہ مطبع نولکشور ۱۲۹۱ھ،

شد حسام الدین کہ نورِ انجم است | طالب آغاز سفر پنجم است،
گر نبودی خلق محجوب و کثیف، | در نبودی حلقہا تنگ وضعیف،
در مدیحت دادِ معنی دادمی، | غیر این منطق نہ لب کشادمی

دفتر ششم میں انہی کی توصیف بیان کی ہے،

حیات دل حسام الدین بسے | میل من جوشد بقسم سادسے،

اسی طرح دیوان میں بھی ان کی تعریف و توصیف کے نغمے موجود ہیں، جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے، کہ دیوان شمس تبریز صاحب مثنوی ہی کا کلام ہے، واقعاتِ زندگی مثنوی اور دیوان اس بارے میں ہم آہنگ ہیں، تاریخ اور تذکرہ شاہد ہے کہ مولینا کے سوا کوئی اور شخص ایسا نہیں جس کے ساتھ حضرت حسام الدین کے تعلقات اس نوعیت کے رہے ہوں،

آن ضیا نوریست روشن از حسام الدینِ ما | با صلاح الدین کہ ز آتش نوربخش اولیا
اے شہ حسام الدین ما اے معدنِ نور و ضیا | اے با تو جانہا آشنا مستان سلامت میکنند
اے حسام الدین جان کن مدح آن سلطانِ عشق | گرچہ منکر در ہوائے عشقِ او دم میزند
اے شہ حسام الدین حسن میگوئی با جاناں کہ من | جان را غلافِ معرفت بہرِ حسامت میکنم
حسام الدین صلاح الدین صاحب | خمش کردم خموشی غم گساراست

عطار و سنائی کی تعریف، | فارسی کے صوفی شعرا میں حکیم سنائی، اور حضرت عطار رح کو اولیت کا شرف حاصل ہے، سنائی اور عطار کے کلام اور معنوی پیام دونوں کے اثرات مولانا پر ہوئے، تذکرہ نویس اس پر متفق ہیں، کہ جب حضرت بہاء الدین بلخ سے قونیہ تشریف لے جا رہے تھے، تو نیشاپور میں حضرت عطار ان سے شرف نیاز حاصل کرنے کیلئے حاضر خدمت ہوئے، مولانا رومی کو اپنی کتاب اسرار نامہ تحفۃً عنایت کی، اور مولینا کی آتش افروزیٔ عشق کے متعلق پیشنگوئی فرمائی،

"در اثنائے آں سفر به نیشاپور رسید، شیخ فریدالدین عطار بدیدن مولانا بہاء الدین آمد آن وقت مولینا جلال الدین کودک بود، شیخ عطار کتاب اسرار نامہ را ہدیہ بہ مولنا جلال الدین و مولینا بہاء الدین گفت روزے باشد کہ ایں پسر آتش در سوختان عالم برزند"

مولینا نے مثنوی میں حضرت عطار کا ذکر تعظیم و احترام کیساتھ کیا ہے، اور ان کے اشعار کو بعض بعض مقامات پر اپنے اشعار میں ضم کیا ہے، یہی رنگ دیوان میں بھی ہے، عطار و سنائی کی تعریف و توصیف فرمائی ہے، انکے مرتبہ و عظمت، جلال اور مرتبت کی داد کھلے دل سے دی ہے،

گرد عطار گشت مولینا   شربت از دستِ شمس بود ش نوش

ہفت شہر عشق را عطار گشت   ما ہنوز اندر خم یک کوچہ ایم،

عطار روح بود و سنائی دو چشم او   ما از پئے سنائی و عطار آمدیم،

معشوق و عاشق ہر سہ یکے بود   یکبار چوں سنائی سردار آمدیم،

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں،

آں تنا جو کش سنائی شرح کرد   یافت فردیت و عطار آن فرید

دست در دامنِ خورشید حقیقت زدہ ایم   چنگ دل نیز دراں طبلۂ عطار زنیم،

در آں طبلۂ شکر پر کرد عطار   بگرد طبلۂ عطار گردیم[۲]،

یہ اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے، کہ دیوان جس میں یہ اشعار پائے جاتے ہیں، عطار اور سنائی کے کلام سے متاثر ہونے والے شاعر مولینائے روم کا کلام ہے، نہ کہ حضرت شمس کا،

سپہ سالار کی تعریف، سپہ سالار اور تذکرۂ سپہ سالار کے متعلق ہم پچھلے باب میں تصریح کر چکے ہیں، سپہ سالار مولانا کے خاص مریدوں سے تھے، تقریباً چالیس سال تک خلوت و جلوت میں مولینا کے ساتھ رہے

[۱] کلیات شمس تبریز ص۲۹۵، [۲] دیوان شمس تبریز ص۲۲۳، [illegible]

مولانا سے ارادت و عقیدت انھیں بے حد ہے، تذکرۂ سپہ سالار جو مولینا کے حالات میں معتبر ترین تذکرہ ہے، اسکی کافی دلیل ہے،

وہ خود اپنے حال میں لکھتے ہیں، :-

"خلاصۂ عمر خود را بہ ملازمت حضرتِ او مستغرق داشتم،.... لاجرم از محبت عشقِ او هزار بار سوختم، و از خودی خود محو گشتم" (سپہ سالار ص۴)

دیوان میں مولانا نے ان کی بھی تعریف فرمائی ہے،

چو خورشید ست یار من نمی گردد بجز تنہا سپہ سالار مہ باشد کز استارہ حشم دارد

یہ بھی ہمارے دعوے کا اک داخلی ثبوت ہے،

سلطان ولد سے خطاب، سلطان ولد مولینا کے محبوب ترین فرزند ہیں، حضرت شمس تبریز کی آپ پر خاص عنایت تھی، انھیں سے مرید ہوے، ربط ارادت نہایت قوی تھا،

مولینا دیوان میں کبھی کبھی حضرت سلطان ولد سے بھی خطاب فرماتے ہیں، حجاب خودی کے متعلق سلطان ولد کو نصیحت فرماتے ہیں، :-

اے ولد پندار بند است و حجاب اندر رہش چرا زیں بند در گزشتی جز وصال یار نیست

ولدی گوئی در عشقش غزلہا، چنانکہ گفت عطار و سنائی،

ایک اور ہدایت فرماتے ہیں،

مشو مولا ے ہر ناشستہ روئے کہ تا ایں عشق مولانا نمانے،

حضرت شہاب الدین سہروردی کا ذکر، مولانا نسباً صدیقی ہیں، سلسلۂ نسب میں حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، آپ کے علم اور حقیقت شناسی اور شہرت کا دور دور شہرہ تھا، معاصر صوفیہ دور دور سے دریافت مسائل میں ان سے رجوع کرتے، مولینا کے معاصر

بھی تھے، مولانا ان کی وفات کے بعد بھی عرصہ تک بقید حیات رہے، مولینا نے دیوان میں ان کی ناموری کا بطور مثال تذکرہ فرمایا ہے،

شہابِ آتشِ ما زندہ باد — چو القاب شہابِ سہروردی

(کلیات شمس تبریز ص ۸۴۰)

اوحد الدین کرمانی کا ذکر

تذکرہ نویس لکھتے ہیں، کہ جس زمانہ میں مولینا کا قیام دمشق میں تھا، مولینا شیخ اکبر حضرت محی الدین عربی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ سعد الدین حموی، شیخ عثمان رومی، شیخ اوحد الدین کرمانی اور شیخ صدر الدین قونوی کے ہم صحبت رہے ہیں، ان بزرگان امت میں ہر ایک اپنی آپ نظیر تھا، مولینا سے اور ان اولیاے کبار سے حقایق اور اسرار دین پر گفتگو ہوتی رہتی تھی، سپہ سالار نے بھی اسکی تصریح کی ہے،

"وقتے کہ خداوندگار ما در محروسۂ دمشق بود، چند مدت با ملک العارفین موحد مدقق کامل مکمل صاحب الحال والقال شیخ محی الدین ابن عربی وسید المشایخ والمحققین الشیخ السعدالدین حموی واز سید المشایخ شیخ عثمان الرومی وموحد مدقق عارف کامل نقیر ربانی شیخ اوحدالدین الکرمانی وملک المشایخ والمحدثین شیخ صدر الدین قونوی صحبت فرمودہ اند، وحقایقے کہ تقریر آن طولی دارد، بہمدیگر بیان کردہ، رضوان اللہ علیہم اجمعین،

(سپہ سالار صہ ۱۴)

مولانا نے دیوان میں بھی اوحدالدین کرمانی کے فیضِ روحانی کا تذکرہ فرمایا ہے، جو غالباً اسی صحبت کا اثر ہے،

ایک مکالمہ کے طور پر فرماتے ہیں،

پیر چو نبض من سوختہ را تجربہ کرد، — گفت ہیہات کہ آن زہرہمہ سودا بود

مطلب مقصد عشاق دریں دشتِ فنا — نہ علوم و نہ عقول و نہ زیانست نہ سود

این بگفت و نفس سرد بزد و بگریست — نظرِ او ہمہ ہستی ز دلِ من بربود

گفت اکنون بر و و بادہ خور و شاد بزی — دور باش از رہ سالوسی و از دلق کبود

کہ دریں رہ ہمگان، از دلِ خود بیخبر اند — مومن و مشرک و ترسا و مجوسی و جہود

گفتم اے شیخ ز حالت خبری دہ تحقیق — کہ دریں دم نفست بر منِ مسکیں بخشود

این چنیں حالِ مرا پیش نیاید ہرگز — چو بیاید تو ببخشائے و بکن فیض وجود

پیر حالِ منِ آشفتہ چو در حیرت دید — بجواب آئینہ جانِ مرا پاک نمود،

نرم گفتا کہ مرا اوحد کرمانی دان — کہ بارشاد من آید در غیبت بشہود

ایک غزل میں جو اثنائے عالم پر کہی گئی فرماتے ہیں :۔

گر اوحد دہد دہر خویش باشی — ناگاہ رواں شوی چو احاد،

باب دوم

مولانائے روم کی غزلیات کی خصوصیات

محاسن و معائب

چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم　　نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

(سروحی)

ایران میں شاعری کا آغاز قصیدہ گوئی سے ہوا، اسکے قدردان "اہلِ دل" نہیں بلکہ اہلِ زر اور صاحبِ امارت" تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ قصیدہ گوئی ذریعۂ معاش بن گئی، اس میں جوشِ دل، صداقتِ احساس اور جذبات کی ترجمانی کو بہت کم دخل تھا،

قصیدہ کا لازمی جزو تشبیب ہے، اور یہی غزل کی بنیاد ثابت ہوئی، ادھر توجہ ہوئی، تو بعض باکمال قصیدہ گو شعرا نے غزل سرائی کی لیکن وہ عندلیب گلشن نہ ثابت ہو سکے، ان کے دلوں پر عشق کی چوٹ نہ تھی، ان کے جگر میں زخمِ محبت نہ تھا، انوری، خاقانی، اور ظہیر فاریابی وغیرہ کی غزلیات اثرِ دل آویزی اور گرمیٔ جذبات سے خالی ہیں، زمانہ کا رنگ بدلا، مغلوں کے حملوں نے قصیدہ کے ان قدردان درباروں کا خاتمہ کر دیا، قصیدہ گوئی کا بازار سرد ہو گیا، اور فطری شعرا جوشِ طبیعت کے تقاضے سے اپنے جذبات کی بے لوث ترجمانی کی طرف متوجہ ہوئے، تو اصنافِ سخن میں سے غزل "زبانِ حال" قرار پا گئی،

غزل کی خوش قسمتی ہے، کہ، شیخ سعدی نے یہ نغمہ کچھ ایسی دلآویزی سے چھیڑا، کہ ہر زندہ دل اس سے مسحور ہو گیا، خسرو اور حسن دہلوی نے تو اوسے بوتا جادو بنا دیا، لیکن یہ حقیقت پیش نظر رہے، کہ جن اہلِ دل اور اہلِ زبان بزرگون نے فارسی غزل کو غزل بنایا، ان میں عارف رومی کا خاص مرتبہ ہے، اور وہ ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے، غزل کی معنوی بلندی بادہ تصوف ہی کی منت پذیر ہے، مولانا نے غزل کو نغمہ حقیقت بنانے میں بڑا کام کیا ہے، بیشک غزل گوئی میں حسنِ ادا، پیرایۂ بیان، جدتِ اسلوب اور رنگینیٔ کلام کے اعتبار سے مولینا سعدی، عراقی، خسرو، اور حسن دہلوی کے ہم پایہ نہیں، لیکن تخیل کی بلندی جوشِ بیان اور حقائق کی ترجمانی کے لحاظ سے ان کا مرتبہ زیادہ بلند ہے، اگر ان کے کلام کے صرف بہترین حصہ پر نظر کی جائے، تو ان کی جگہ صفِ اول ہی میں ہوگی،

جذباتِ نگاری اور اصلیت

شعر کا اصلی سرمایہ احساسِ قلب اور جذبۂ باطن ہے، یہی جذباتِ نگاری اور کلام کی اصلیت ہے،

گرمیٔ افکارِ ما از نارِ اوست   آفریدن، جاں دمیدن کارِ اوست

یہ نہ ہو تو اشعار منافق کی مدح سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے، شیخ سعدی سے پہلے جن شعرا نے غزلیں کہیں، تقریباً ان کا کلام "زبانِ بے دل" ہے

وہ عشق کے زخم خوردہ نہیں ہیں، انکے سینوں کے اندر آتشِ الفت کا پتہ نہیں، صرف حسن سخن کیلئے انھوں نے عشق کی ترجمانی شروع کی،

لیکن جب دردِ دل رکھنے والے شعرا نے غزل سرائی کی، تو وہ تاثیر اور سوزِ دل کا سرمایہ بن گئی،

صوفی شعرا میں شدتِ اخلاص اور صداقتِ احساس کے باعث اس جذبہ کی گرمی اور اس آگ کی تیزی ناقابلِ بیان ہو گئی، اسی لئے سعدی، خسرو، حسن، عراقی، اور حافظ کے کلام کا سرمایۂ ناز

"جذبات نگاری" ہے،

مولینا روم کا دل فطرۃً امین عشق واقع ہوا تھا، وہ فطری شاعر تھے، اگرچہ ایک مدت تک مولویا نہ مذہبیت اور وطن کے ماحول کے باعث شعر گوئی سے پرہیز کرتے رہے لیکن جب شمس تبریز سے ملاقات ہوئی، تو ایک ہی نظر میں مولینا نے عقل و ہوش کو خیر باد کہا، انکی حکمت آزمودہ والی "جنون عشق" سے بدل گئی، آخر کار یہ حال ہوا، ع

"دل خود کام را از عشق خوں کرد"

آزمودم عقل دور اندیش را　　بعد ازاں دیوانہ سازم خویش را،

مولینا کی دل کی چھپی اور دبی ہوئی چنگاریاں کچھ ایسی بے پناہ آتش شوق کی صورت میں بھڑک اٹھیں، کہ بجھائے نہ بجھتی تھیں، جذبات محبت نے طوفان کی صورت اختیار کی، مولینا نے جان و دل کے تقاضے سے مجلس سماع آراستہ کی، اس میں دوسروں کی نظمیں کما حقہ ترجمانی حال کا کام نہ دے سکتی تھیں، محفل سماع کے لئے مولینا خود غزل لکھنے لگے، یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام اصلیت سے معمور ہے، اور سراپا جذبات دل کی سچی تصویر ہے، اسی لئے جذبات نگاری جو محاسن شاعری کا جزو اعظم ہے، مولینا کے کلام کی اولین اور اہم ترین خصوصیت ہے، ان کے اشعار بہانہ جو کے آنسو نہیں ہیں، بلکہ ان کا سینہ سوز باطن سے معمور ہے، ان کے دل پر عشق کے داغ ہیں، جو کچھ کہتے ہیں، آپ بیتی ہے، ان کی غزل دل کی زبان ہے، ان کے کلام میں ذوق سخن نے گفتار محبت کا پیرایہ اختیار کیا ہے،

صاحب مناقب العارفین نے جذبات نگاری کے متعلق مولینا کا ایک قول نقل کیا ہے،

" مجرائے سخن سہ گونہ است، یکم از نفس روان می شود، دویم از عقل، سیوم، از عشق، ہمانا کہ سخن نفس مکدر است و بے مزہ کہ نہ گوئیدہ را ذوق است نہ شنونده را فائده،

دوم سخن عقل است و آن مقبول عقل است، و بنوع فوائد که هم شنونده را پر ذوق کند و هم گوینده را، سیوم سخن عشق است که هم گوینده را مست کند و شنونده را سرخوش گرداند و بطرب آرد"

جذبات نگاری، مولنا کا کلام سخن عشق ہے، اسلیے وہ دلی جذبات کا آئینہ ہے، ان کا کلام اور زندگی ہم آہنگ ہیں، وہ شعرا کی جماعت "یقولون مالا یفعلون" سے علحدہ ہین، اور اس خصوصیت میں مولنا فارسی کے دیگر نامور صوفی غزل گو شعراء کے شریک ہین،

سوزِ دل کے متعلق فرماتے ہین:-

عشق شد مہمانِ ہر دل سوختہ　　　جان و دل از بہرِ او قربان کنم

ایک مست الست کی حیثیت سے اپنے انجام کا نقشہ کھینچتے ہیں،

بہ پیش پیرِ مے خانہ بہ میرم　　　زہے مرگ و زہے برگ و سرانجام

مطلوب اور محبوب کیساتھ وابستگی، اور وارفتگی کا بیان ہے،

ہر کہ بیند رُخِ تو جانبِ گلشن نرود　　　ہر کہ داند لبِ تو قصۂ ساغر نہ کند

مولینا بادۂ محبت سے مخمور ہیں،

مخمورِ تو ام بدست من دہ　　　آن جامِ شرابِ کوثرے را

عاشق میدانِ طلب میں رفیقِ راہ کا طالب ہے،

طبیب درد بے درماں کدام ست　　　رفیق راہ بے پایاں کدام است

شبِ وصال کی لاجواب تصویر ایک ہی مصرعہ میں کھینچ دی ہے،

ع گل چیدن است امشب مے خوردن است امشب

اضطرابِ عشق اور انتظار کے جذبات کی کسقدر کامیاب ترجمانی ہی،

قرارے نہ دارد دل وجانِ ما   کنارے نہ دارد بیابانِ ما،

عشق نے شاعر کے دل و جان میں گھر کر لیا ہے، اس حالت کو کس خوبی سے بیان کیا ہے،

در دل وجاں خانہ کردی عاقبت   ہر دو را دیوانہ کردی عاقبت

دلِ عاشق ہر وقت حضورِ یار کا متمنی ہے،

یک لحظہ ز کوئی دوست دوری   در مذہبِ عاشقاں حرام است

عاشقِ بے تاب شب و روز کوچۂ یار میں چکر لگاتا ہے، لیکن اوس کی یہ آرزو ہے، کہ کسی دن دلدار بھی اسکی گلی میں آجائے، اور اس کوچۂ ویران کو اپنے قدم سے رشکِ بہشت بنا دے،

مخمور و مست گرداں امروز چشم ما را   رشکِ بہشت گرداں امروز کوے ما را

مولنا پر مستی اور جذب طاری ہے، ایک دیوانگی کی سی حالت ہے، فرماتے ہیں،

اے عاشقاں اے عاشقاں امروز من دیوانہ ام   مست و خراب و بے خبر زان جام وزاں پیمانہ ام

بادِ عشق سے درخواست فرماتے ہیں، کہ اس طرف سے بھی ہو گذرے،

اے بادِ خوش کہ بر چمنِ عشق می وزی   بر من گذر کہ مژدۂ ریحانم آرزوست

عاشق شرابِ الفت سے مست و بے خود ہے، اسے سارا عالم مست نظر آتا ہے، اس خوبی سے اسکو بیان کیا ہے، کہ مستی کی ہمہ گیری کا منظر پیشِ نظر ہو جاتا ہے،

رعد مطرب، برق مشعل، ابر ساقی، آب مے   باغ مست و راغ مست و غنچہ مست و خار مست

باوجو اس مستی کے عاشق بے خود کی تمنا ہے کہ

یکدست جامِ بادہ و یکدست زلفِ یار   رقصِ چنیں میانۂ میدانم آرزوست

آئینہ میں عکسِ یار دیکھ چکے ہیں، لیکن ذوقِ دیدار کا یہ عالم ہے کہ محبوب کا جمالِ جہان آرا بے پردہ دیکھنا چاہتے ہیں،

عکس در آئینہ اگرچہ نکوست ، لیک ہماں صورتِ زیبا خوش است

جب یہ آرزو خوش بختی سے پوری ہوتی ہے ، تو ذوقِ عشق ایسا ہے کہ جان نذر کردیتے ہیں،

دیدہ از خلق بہ بستم چو جمالش دیدم منت بخشایشِ او گشتم و جاں بخشیدم

دیکھئے مسرتِ وصال کا اظہار کس انداز میں ہوتا ہے،

چو گل شگفتہ شوم در وصالِ گلرویم رسد نسیمِ بہارم چہ خوش بود بخدا،

محبوب کے حسن و جمال کا مرتبہ بیان ہوتا ہے،

ز رویت ماہ اختر می تواں کرد ، ز زلفت مشک و عنبر می تواں کرد

یہ سب ایک سچے عاشق کے دلی جذبات اور احساسات کی ترجمانی ہے، ان شعلوں کی علتِ غائی آتشِ عشق ہے جو کسی پانی سے نہیں بجھائی جاسکتی،

باز آمد آں مے کہ ندیدہ فلک بخواب آورد آتشے کہ نمیرد بہیچ آب ،

میرِ شراب خانہ چو شد با دلم حریف خونم شراب گشت ز عشق و جگر کباب

حقایق کی ترجمانی، مولینا کے کلام کی اصلیت کا دوسرا پہلو حقایق کی ترجمانی ہے ، مولینا نے اپنے کلام میں بے شمار انفسی اور آفاقی حقایق کی تعبیر اور تفسیر فرمائی ہے ، جس سے افراد اور اقوام اپنی زندگی اور تخیل کی تعمیر اور باطنی تربیت میں نہایت گرانمایہ رہنمائی حاصل کر سکتی ہیں ،

ایک حقیقت بین نظر کے لئے اس میں رمز شناسی اور رازدانی کا ایک غیر محدود ذخیرہ ہے، یہی بات مولینا کے کلام کی معنوی خصوصیت اور حقیقی قدر و قیمت ہے ، شعر گوئی سے مولنا کا منشا بھی یہی تھا کہ حقایق بپیرایۂ شعر میں بیان ہو جائیں ، سپہ سالار کا بیان ہے ،

"حضرت خداوندگار قدس سرہ میخواست کہ حقایق ہمہ مشائخ و مقصود ہمہ عالم را در ہر بیتے بیان فرماید ، کما قال قدس اللہ سرہ ،"

خواہم کہ کفک خونیں از دیگِ جاں برآرم گفتارِ دو جہان را از یک دہاں برآرم

یہ شعر تو مولینا کا ہے، جس سے اس خصوصیت کے متعلق خود صاحبِ دیوان کے نقطۂ نظر کا اظہار ہوتا ہے، یہ صفت پورے عروج و کمال پر مثنوی میں ملتی ہے، لیکن دیوان میں بھی نمایاں ہے، مثلاً "سِتر انا" کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں،

از کنارِ خویش یابم ہر زماں من بوے یار چوں نگیریم ہر شبے مر خویش را اندر کنار

عشق اور بندگی کے متعلق اظہارِ خیال یوں ہوتا ہے،

دیگراں آزاد سازند بندہ را عشقِ بندہ می کند آزاد را،

ڈاکٹر اقبال کا ایک شعر ہے، جو اس مطلب و مفہوم کا حامل ہے، کہ عاشقانہ بندگی ہی میں ماسوے آزادی نصیب ہو سکتی ہے،:

عقل گوید شاد شو آزاد شو، عشق گوید بندہ شو آزاد شو،

(رموزِ بے خودی)

تخلق باخلاقِ اللہ کا راز بیان کیا ہے،

درونِ دل سفرے کن اگر خدا طلبی ز خوئی خود گذرے کن بجوئی خوے خدا

طلب و حصول کا ربط ظاہر کیا ہے،

روزی ز طلبگاری مطلوب بدست آید کز زاں کہ ترا در دل عشق و طلبی باشد

شادی و وصالِ جاں روزی شد از جاناں آنرا کہ درونِ دل از عشق غمی باشد

بے رنج دریں ویراں آں گنج مجوایجاں کاں گنجِ گراں مایہ بے رنج نمی باشد

ترکِ کبر اور عجز عبدیت کا کیا حاصل ہے، جواب ملتا ہے،

کبر و تکبر بگذار و بگیر، در عوضِ کبر چنیں کبریا،

حقیقتِ تخلیق پر روشنی ڈالی ہے،

ہزار صورت بے چوں بامر کن موجود — شدست ومیشود اے دل وُ دیڈ ایکتا

سلوک الی اللہ کا طریقہ بتایا ہے،

یک حملۂ مستانہ مردانہ بکردیم، — تا علم بدادیم و بہ معلوم رسیدیم،

با آیت کرسی بسر عرش پریدیم، — تا حی بدو یدیم و بقیوم رسیدیم،

عاشق علمِ لدنّی سے کس طرح فیضیاب ہوتا ہے،؟

خمش کوتہ کن اے خاطر کہ علم اول و آخر — بیاں کردہ بود عاشق چو پیش شاہ لالا شد

غافل کو جگاتے ہیں،

چناں بنہ تو دو چشمت کہ ذرہ را بینی — میان روز نہ بینی تو شمس کبریٰ را

مثنوی میں بھی حق سے غفلت کو موت سے تعبیر فرمایا ہے،:-

مرگ حاضر غائب از حق بودن است

غرض یہ کہ مولینا کا کلام حقایق کا ایک دریاے بے پایاں ہے،

جوش خیال اور بیان

بیا کہ من زخم پیر روم آوردم

مئے سخن کہ جواں تر زبادہ عنبی است (اقبال)

مولینا کے خیالات میں جو ہنگامہ و جوش اور بیان میں جو زور اور وجد پایا جاتا ہے، اوس کی نظیر کسی اور غزل گو صوفی شاعر کے کلام میں نہیں، یہ صفت مولینا کی غزلیات میں خاص طور پر نمایان ہے،

تخیل کی پرواز کا یہ عالم ہے کہ آن کی آن میں عالم معنی کی سیر برق رفتاری کیساتھ ہوتی ہے، قلب میں عشق کی گرمی اور جذبات کا طوفان برپا ہے، اس سے خیالات میں یہ جوش ہی پھر زبان دل کی

ہم آہنگ ہے، جس شدت سے خیال پیدا ہوتا ہے، اسی شدت سے بیان کرتے ہیں،

غزل بانگِ اسرافیل معلوم ہوتی ہو کہ محشر انگیزی پر آمادہ ہے، جوشِ تخیل اور بیان کے اعتبار سے مولنا کا کلام شعر کے اس معیار پر پورا پورا اترتا ہی،

نغمہ باید تند رو مانند سیل، تا برد از دل غمان را خیل خیل،

اصل بات یہ ہے کہ مقاماتِ تصوف کا تعلق قلب اور جذبات سے ہے، مولینا کا قلب اسی عالم کی سیر میں مصروف تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو تخیل کا زور معنی آفرینی میں کمال دکھاتا ہے، تو دوسری طرف بیان مواج سمندر کے مانند لہریں لے رہا ہے، اس سے کلام میں بے حد زور اور اثر پیدا ہوگیا ہی جو پڑھتا ہے اس طوفان انگیز سمندر کی موجوں کے ساتھ ہو کر بہنے لگتا ہے، جوش کا یہ عالم ہے کہ جس قوت سے وہ کسی خیال کو ادا کرتے ہیں، اسی قوت سے اسے قبول کرنا بھی آسان نہیں، یہ جوش کسی خاص خیال یا موقع سے مخصوص نہیں جب خیال کو ظاہر کرتے ہیں، تو ان کا طبعی جوش اس سے نمایاں ہوتا ہی، مسرت وصال کا ذکر کریں تو دل مارے خوشی کے اچھلنے لگتا ہے، غم ہجراں کا بیان ہو تو احساس اضطراب تیز ہو جاتا ہے، بقا کا رنگ اس جوش اور زور سے دکھاتے ہیں، کہ آدمی اپنے آپ کو غیر فانی محسوس کرنے لگتا ہے، فنا کا عالم دکھانے میں یہ انداز ہے کہ عالم کی ایک ویران کدہ اور نامانوس خیال کے ایک مجموعہ سے زیادہ حقیقت نہیں معلوم ہوتی، جوشِ خیال اور بیان کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں جس سے یہ حقیقت آئینہ ہو جائے گی،

اے نوبہار عاشقاں داری خبر از یار ما، ای ز تو آبستن چمن وے از تو خنداں باغہا

اگر افلاک نہ باشد بخدا باک نہ باشد، دلِ غمناک نہ باشد چہ کنی گفت علالا

عاشق کو کس جوش سے مخاطب فرماتے ہیں:۔

چوں چشم بجوش از دلِ سنگ، بشکن تو سبوئے جسم و جاں را،

مردِ خدا کی ہمت و غیرت کا بیان ہے،

مردِ خدا مست بود بے شراب — مردِ خدا سیر بود بے کباب

مردِ خدا بحر بود بیکراں، — مردِ خدا قطرہ بود بے سحاب

اے چنگ پردہائے سپاہانم آرزوست — وے نائے نالہ خوش و سوزانم آرزوست

این ہمرہانِ سست عناصر دلم گرفت — شیرِ خدا و رستمِ دستانم آرزوست

آخری شعر سے مولینا کے رنگِ طبیعت اور جوشِ خیال کا خاص اندازہ ہوتا ہے،

جوشِ عزم ملاحظہ ہو،

ہر نفس آوازِ عشق میرسد از چپ و راست — ما بفلک می رویم عزم تماشا کراست

جوشِ عشق کی تصویر کھینچتے ہیں،

گفتم کہ چند خوانی گفتا کہ تا نخوانی — گفتا کہ چند جوشی گفتم کہ تا قیامت

مولینا کی ہمت عالی اور قوتِ تسخیر پر نظر کیجئے،

ہمت عالیست در سرہائے ما، — از ثریٰ تا عرشِ اعلیٰ می رویم

دہانِ اژدہا را بر دریدم، — جہانِ عیش را آباد کردم،

عہد حاضر کے فارسی شعراء میں ڈاکٹر اقبال اس خصوصیت اور مناسبت میں اس پرجوش عارف رومی کے ہمرنگ ہیں، اون کے تخیل میں بھی زور اور بیان میں بھی جوش ہے، خود ان ہی کا بیان ہے،

مطرب غزلے بیتے از مرشدِ روم آور — تا غوطہ زند جانم در آتشِ تبریزی

مثالاً کلام ملاحظہ ہو،

تا کجا در تہ بالِ دگراں می باشی — در ہوائے چمن آزادہ پریدن آموز

بشاخ زندگی مانمی ز تشنہ لبی است — تلاشِ چشمۂ حیوان دلیلِ کم طلبی است

خاص مضامین، | ہر شاعر اپنی اپنی طبیعت اور بلندی مزاج کے مطابق خاص خاص خیالات اور مضامین کا دلدادہ ہوتا ہے، یہ مضامین اس کے خصوصیات میں گنے جاتے ہیں، اور مہماتِ مضامین کہلاتے ہیں، مولنا میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے، اور کلام کی معنوی خصوصیات میں بے حد نمایاں ہے، وہ چند احساسات اور خیالات کے خاص طور پر دلدادہ ہین، ان کے کلام میں ایسے مضامین مختلف پیرایہ اور اسلوب میں کثرت سے پائے جاتے ہیں، مثلاً عشق کی اہمیت اس کے نتائج انسان کی عظمت اور عروجِ انسانی کی راہ عقل و عشق کا مقابلہ، دل کی تربیت اور اس کے طریقے وغیرہ، یہ چند خاص خیالات ہیں، جن کو مولنا نے سینکڑوں بلکہ ہزاروں طرح بیان کیا ہے، ہم ایک تسلسل سے ان جملہ مضامین کو بیان کرین گے تاکہ خصوصیاتِ کلام واضح ہوجائین،

از صدائے سخنِ عشق ندیدم خوشتر

یادگاری کہ دریں گنبدِ دوار بماند (حافظ)

عشق اور اسکے تعلقات، | مولنا نے عشق، اسکے متعلقات اور اسکے مختلف پہلوؤں پر اس کثرت سے اشعار لکھے ہیں، کہ اگر ان کے دیوان کو "ترانۂ عشق" سے تعبیر کریں تو بیجا نہ ہوگا، ان کی یہ خصوصیت مثنوی میں بھی بیحد نمایاں ہے، سچ یہ ہے کہ عشق زندگی کی بنیادی حقیقت ہے، اس کا ترانہ زندگی کا سب سے عظیم الشان نغمہ ہے، عشق ہی سے قربانی پیدا ہوتی ہے، عشق کے محل مختلف ہوسکتے ہین، کوئی کسی کے حسنِ عارض کا شیدا ہوتا ہے، ورڈزورتھ کا سا مزاج رکھنے والا شاعر رنگین وادی پر اپنی جان فریفتہ کرتا ہے، کوئی کسی کی تصویر کا عاشق ہوتا ہے، لیکن کسی کا قلب اسقدر وسیع اور نظر اتنی بلند ہوتی ہے کہ وہ اپنی نگاہ محبت کے لئے "حسن ازل" کو تاکتا ہے، کیونکہ عشق کی شان اس کے مقصد کی وسعت و بلندی سے ہے، کامل طور پر وہ عشق کا لذت آشنا ہے، اسلئے اپنے عشق کو ابدیت بخشنا چاہتا ہے، اور یہ ممکن نہیں جبتک اس کا محبوب ابدی نہ ہو،

عشق زندہ در روان و در بصر، ہر دمی باشد ز غنچہ تازہ تر ،
عشق آں زندہ گزیں کو باقیست از شراب جانفزایت ساقیست
(مثنوی معنوی)

عشق اور مذہب میں ربط کا یہی محل ہے، جب تک مذہب صحیح معنوں میں ہوتا ہی یہ اتحاد قائم رہتا ہی جب ذوقِ صحیح فنا ہو جاتا ہے، تو ان دونوں میں افتراق ہو جاتا ہی

در غلامی عشق و مذہب را فراق انگبینِ زندگانی بد مذاق،

مولینا اسی حلقۂ عشاق میں داخل ہیں، اسلئے انھوں نے عشق پر بے حد زور دیا ہے، اس کی وکالت کا حق ادا کیا ہے، ان کے نزدیک عشق سے مراد "عشق خدائے احسن" ہے،

ہرچہ جز عشق خدائے احسن است گر شکر خوردن بود جاں کندن است

انھوں نے عشق کی اہمیت، اثرات اور نتائج کو اسی روشنی میں بیان کیا ہے، عشق کی اہمیت کے متعلق لکھتے ہیں،

عشق معراج است سوئے بام سلطان ازل از رخِ عاشق فرو خواں قصۂ معراج را

عشق ابدی زندگی ہے،

عشق است و عاشق است کہ باقیست تا ابد دل برجز ایں منہ کہ بجز مستعار نیست،

عشق جز دولت و ہدایت نیست جز گشادِ دل و عنایت نیست،

عشق ہی خوش نصیبی ہے،

گر ترا بخت یار خواہد بود عشق را با تو کار خواہد بود

عمر بے عشق لاحاصل ہے،

عمر کہ بے عشق رفت، ہیچ حیاتش مگیر آب حیاتست عشق در دل و جانش پذیر

دگر بیکار گردد چرخ گردون، جہانِ عاشقاں برکار باشد

ہر کہ در دنیست ازیں عشق رنگ، نزد خدا نیست بجز چوب و سنگ

عشق کے بغیر دولت وجاہ سب ہیچ ہے، اور عشق سے مولینا کی اصل مراد کیا ہے،

منصب و ملک از دل بے عشق راست، جز کفن اطلس و جز گور نیست،

آن روح راکہ عشق حقیقی شعار نیست، نابودہ بہ کہ بودن او غیر عار نیست

عشق ہی قلب کو مطمئن رکھتا ہے،

ہر کہ زعشاق گریزان شود، عاقبت الامر پریشاں شود،

خانہ عشق کی بڑی فضیلت ہے،

فی الجملہ ہر آنکس کہ دریں خانہ رہے یافت، سلطانِ جہان است و سلیمان زمان است

بنی آدم کی بزرگی عشق ہی کے تاج کرامت سے ہی،

کہ عشق خلوت جانست طوق کرمنا، برائے ملک وصال و برائے رفع حجاب

عشق کے نتائج کیا ہوں گے، مولینا نے کئی اشعار میں مختلف طریقہ سے اس کا جواب دیا ہی،

غمزۂ عشقت بدان آرد یکے محتاج را، کو بیک کہ بر نسنجد ہیچ صاحب تاج را

گلزار کند عشقت آن شورۂ خاکی را، دربار کند موجت ایں چشم سحابے را

کیمیائے کیمیا ساز است عشق، خاک را گنجِ معانی می کند

عاشق کا دل عرش سے فزوں تر ہے،

بر سر چہ ہمی ارزی میدان کہ ہمی ارزی، زیں روے و دل عاشق از عرش فزوں باشد

عشق کی ترقی و تکمیل استقامت مین ہے،

ہم بذوق این درد را درمان کنم، ہم بصیر این قصہ را پایان کنم،

بجز در عشقِ مطلق جاں نیاریم
فسونہاے خرد را ما نہ خوانیم

عقل و عشق کا مقابلہ

حقیقت شناسی اور یافتِ حق کے دو راستے ہیں، ایک عقلی راہ ہے، اور ایک ایمانی راہ ہے، مصرع،

مومن از عشقست و عشق از مومن است،

پہلی راہ فلسفہ ہے اور دوسری مذہب،

مذہب کی بنیاد چونکہ غیبی حقائق پر ہے، اس لئے فلسفہ یا عقل کی راہ اس منزل تک نہیں پہنچ سکتی، اس لئے کہ عقل حواس کے تابع ہے، اور حواس عالمِ شہود کے سوا غیر شہود عالم کا علم حاصل نہیں کر سکتے، اور بظاہر ہمارے علم کے ذرائع حواس ہی ہیں،

یافت اور معرفت کی ان دو راہوں میں ایک کا سرمایہ قیل و قال اور شک ہے، اور دوسری راہ کا سرمایہ "علم الیقین" "عین الیقین" اور "حق الیقین" رموزِ بیخودی میں بڑی خوبی سے ان کے فرقِ نوعیت کو ظاہر کیا گیا ہے،

عقل را سرمایہ از بیم و شک است — عشق را عزم و یقیں لاینفک است
عقل محکم از اساسِ چون و چند — عشق عریاں از لباسِ چون و چند
عقل در پیچاکِ اسباب و علل — عشق چوگاں بازِ میدانِ عمل
عقل می گوید کہ خود را پیش کن — عشق گوید امتحانِ خویش کن

مولانا کے کلام میں بھی خاص طور پر ان دو راہوں کا مقابلہ اور موازنہ پایا جاتا ہے، اور مولانا نے اس پر بڑا زور دیا ہے، اسلام میں اعتزال وغیرہ کے عقلیہ فرقے پیدا ہوئے، مولانا نے ان کو فتنۂ عظیم سے تعبیر کیا ہے،

سوے مدرس خرد آید در سوال کیں فتنۂ عظیم در اسلام شد چرا

اس مقابلہ اور موازنہ کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں،

عاقلاں را اندراں غفلت بماں عاشقاں را چشمِ معنی بر کشا

از سینہ پاک کردم انکارِ فلسفی را در دیدہ جاے کردم اشکالِ یوسفی را

مثنوی میں ارشاد ہوتا ہے،

عقل جزوی عشق را منکر بود گرچہ بنماید کہ صاحب سر بود

آفتابِ عقل را در سوز دار چشم را چوں ابر اشک افروز دار

داند آں کو نیک بخت و محرم است زیرکی زابلیس و عشق از آدم است

درمیانِ پردۂ خون عشق را گلزارہا عاشقاں را با جمالِ عشق بیچوں کارہا

عقل گوید شش جہت حد است و بیچ بیروں راہ نیست عشق گوید ہست راہ و رفتہ ام من بارہا

عاشقانِ خستہ دل را در درونہ ذوقہا عاقلانِ تیرہ جاں را در درون انکارہا

عقل گوید پا منہ کاندر فنا جز خار نیست عشق گوید ہست در تو مایۂ آں خارہا

عشقِ تو چوں در آمد اندیشہ مرد پیشش عشقِ تو صبحِ صادق اندیشہ صبحِ کاذب

شمع گیتی بود عقلِ چارہ گر شمع را پروانہ کردی عاقبت

آتش دریں عالم زنیم این چرخ را برہم زنیم ایں عقلِ پا برجائے را از عشق سرگرداں کنیم

بجز در عشق مطلق جاں نیاریم فسونہائے خرد را ما نہ خوانیم

دل بدست آور کہ حج اکبر است
وز ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است (مثنوی رومی)

دل کی عظمت و اہمیت | عشق، یقین اور ایمان کا تعلق قلب سے ہے، قرآن مجید میں ابراہیم حنیف کے

کمالِ باطن کی تعریف پر ان کے "قلب سلیم" کو نشانِ عظمت ظاہر کیا گیا ہے، حدیث میں ہے، کہ دل ہی انسانی صلاح اور بگاڑ کی کنجی ہے، انسان کی عظمت اس کی قلبی وسعت و کیفیت کی نوعیت پر مبنی ہے، یہ ایک واقعہ ہے کہ انسانی علم و عمل کی طاقت قلبی توجہ پر منحصر ہے، جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا کہ مولانا اس کی اہمیت اور اس کے اعلیٰ مقاصد اور نتائج پر اپنے کلام و پیام میں بیحد زور دیتے ہیں، اس لئے تزکیۂ دل اور تصفیۂ قلب پر بھی بے حد اصرار کرتے ہیں اور اسکی اہمیت کو طرح طرح سے ظاہر کرتے ہیں، تاکہ کثرتِ ذکر اور تکرارِ تہدید سے سامع اس عظیم الشان حقیقت کی طرف متوجہ ہو جائے، مثنوی میں فرماتے ہیں،

کاں جمالِ دل جمالِ باقیست　　دو لتش از آب حیواں ساقیست
گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است　　من نہ گنجم ہیچ در بالا و پست
در دلِ مومن بگنجم اے عجب　　گر مرا جوئی دراں دلہا طلب

مولانا کی یہ معنوی خصوصیت دیوان میں بھی قائم ہے، دل کو منظر گاہِ حق قرار دیا ہے اور فرماتے ہیں

درآور دل کہ منظر گاہِ حق است　　اگر ہم نیست منظر می تواں کرد
دلِ آہن ز شوقش نرم گردد　　دل ار سنگ است جوہر می تواں کرد

دل کا تیر راست ہونا چاہئے،

گر قاب قوس جوئی دل راست کن چو تیرے　　در قوسِ او درآید ہر کو چو تیر باشد

دلِ عاشق کی پرواز دکھائی ہے،

سیمرغ دلِ عاشق در دام کے گنجد　　پروازِ چنیں مرغے از کون بروں باشد

آئینۂ قلب میں صفا ہو تو آفتابِ حقیقت اس میں منعکس ہوگا،

چوں کاہ جفت گل بود آئینہ کے مقبل بود　　چوں کہ جدا گردد ز گل آئینہ گردد با صفا

دل را تو صیقلے کن تا نقشِ او پذیرد　　زاں نقشِ بے جہت ایں شش سو منقش آمد

مثنوی میں بھی یہی ہدایت ہے،

آئینہ کز زنگ و آلائش جدا ست　　پر شعاعِ نورِ خورشیدِ خدا ست

ولایت اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ اہلِ دل کی صحبت اختیار کیجائے،

گر اولیائے حق را از حق جدا شمردہ　　گر ظنِّ نیک داری بر اولیا چہ باشد

اہلِ دل کی صحبت سے مقصود تک رسائی ممکن ہے،

دلا نزدِ کسے بنشیں کہ او از دل خبر دارد　　بزیرآں درختے رو کہ از گلہاے تر دارد

مثنوی میں بھی اہلِ دل کی صحبت کے فیض کا ذکر جگہ جگہ ہے،

یک زمانہ صحبتے با اولیاء　　بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

دل سے متعلق ایسے اشعار سینکڑوں کی تعداد میں ہیں،

صد آہ شرر ریزے اک شعر دلآویزے　　(رومی)

جذباتِ عشق | شاعر کا کمال یہ ہے کہ وہ جن احساسات اور قلبی حالات اور کیفیات کو بیان کرنا چاہے اس خوبی سے ان کو ادا کرے کہ پڑھنے والے کی آنکھوں کے سامنے اس حالت کی تصویر کھنچ جائے اور وہ شاعر کے اس احساس میں شریکِ حال ہو جائے، مولانا کے کلام کی اصل خصوصیت یہی ہے، لذتِ دید کی کیفیت بیان کی ہے،

دل پیش رخش چہ رقص می کرد　　وز آتشِ عشق جان چہ می شد

"چہ رقص می کرد" اور "جاں چہ می شد" میں لذتِ دید اور بے تابیِ شوق کا نقشہ کھینچ دیا ہے،

عشق میں غم سہتے سہتے عاشق کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اسے اس میں لطف آنے لگتا ہے، اس حال میں اس کی نظر درد و غم پر پڑتی ہی نہیں، صرف لطفِ محبت ہی کا خیال رہتا ہے، ہر غم کو مسرت سمجھتا ہے، اور

آسانی سے برداشت کرلیتا ہے، اس حالت کو بیان کرتے ہیں،

منگر رنج و بلا را بنگر عشق و ولا را غم او لطف لقب کن زغم و درد طرب کن

رندانِ قدح خوار کا کبھی یہ عالم ہوتا ہے کہ جب وہ خوب پی لیتے ہیں تو پھر انھیں پستی اور بلندی کی خبر نہیں رہتی، حالتِ سرور میں رقصاں ہوتے ہیں، مستی کی اس حالت کا نقشہ مولانا نے اس طرح کھینچا ہے،

باز رسیدیم ز میخانہ مست باز رہیدیم ز بالا و پست

جملۂ مستاں خوش و رقصاں شدند دست زنید اے صنما دست دست

ایک اور شعر ہے،

ز شوقت من ز تن بیگانہ گردم شرابِ عشق را پیمانہ گردم

دوسرا مصرع بے خودی اور خود فراموشی کی بہترین تعبیر اور تصویر ہے،

عاشق انتظار میں ہے، دیر بے حد ہوگئی، کچھ مایوسی سی دل پر چھاگئی، لیکن یکایک محبوب دلنواز سامنے آگیا، عاشق کی آنکھیں "بتِ بے وفا" کو دیکھتی ہیں، لیکن دل کو اس خوش نصیبی کا یقین نہیں آتا بھر بار بار نظر کرنے سے یہ شک رفع ہوجاتا ہے، اور جوشِ مسرت سے عاشق اچھل پڑتا اور پکار اٹھتا ہے،

یار آمد ز در خلوتیان دوست دوست دیدہ غلط می کند نیست غلط اوست اوست

معشوق پری رخ کو دیکھکر اس کی لطافت و رنگینی کا جو نازک احساس دل میں پیدا ہوتا ہے اس حالت کو الفاظ کے مرقع میں پیش کیا ہے، جس سے آنکھوں کے آگے ایک سماں بندھ جاتا ہے،

روے تو چو نو بہار دیدم گل راز تو شرمسار دیدم

دعا مغزِ عبادت ہے، عبدیت کی یہ کیفیت مولانا پر طاری ہوگئی ہے، اور دعا کا یہ عالم ہوگیا ہے کہ جو دیکھتا ہے وہ بھی دعا گوئی ہی کی درخواست کرتا ہے، عجز عبدیت کی اس حالت کو کس خوبی سے بیان کیا ہے،

ہمہ دعا شدہ ام من زبس دعا کردن کہ ہر کہ دید مرا از من او دعا خواہد

عاشقِ خستہ جان مسلسل محبوبِ سنگدل کی بے توجہی کا شکار ہے، اسے خیال ہوتا ہے کہ محبوب ہمیشہ نازیں ہے وہ ہمارے نیاز کی حالت کو کیا محسوس کریگا، اسے ہماری جگر کاوی اور دلسوزی کا کیا احساس ہوگا، وہ متمنی ہے کہ خدا کرے خود محبوب بھی کسی کو اپنا مطلوب بنائے اور کسی پر جان دے، تا کہ وہ عاشق کے حالِ زار کو محسوس کر سکے، ع کبھی جلوہ گر ہو خدا کرے ترا ناز میرے نیاز میں، اس حالت کو اس طرح بیان کرتے ہیں،

اے خداوندیکے یارِ جفا کارش دہ　　　دلبرِ عشوہ گرِ سرکش و خونخوارش دہ

چند روزے زپئے تجربہ بیمارش کن　　　با طبیبانِ دغا پیشہ سروکارش دہ

تا بداند کہ شبِ ماہ چساں می گذرد　　　دردِ عشقش دہ و عشقش دہ و بسیارش دہ

کبھی طلب اس قدر شدید ہوتی ہے کہ باوجود کافی سامان ہونے کے دل سیراب نہیں ہوتا اور تشنگی رفع نہیں ہوتی، بےچینی ہنوز باقی رہتی ہے، اس کیفیت کی تصویر اس طرح کھینچی ہے،

شمس تبریزی ہمہ دریائے فضل و رحمت است　　　لیک جانِ تشنہ زاں دریائے سیراب نیست

ما نورِ خدائیم دریں خانہ فتادہ

(رومی)

ما آبِ حیاتیم دریں جوے روانیم

شرفِ نفسِ انسانی

بنی آدم کی کرامت مسلم ہے، روحانی جماعت انسان کو "آئینۂ ذاتِ حق" سمجھتی ہے ع

ذاتِ ما آئینۂ ذاتِ حق است

لیکن مادہ پرست گروہ بھی بہرحال اس کو سلسلۂ حوادث میں افضل ترین کڑی خیال کرتا ہے، اور کائنات میں مادی ارتقاء کی آخری کڑی انسان ہی قرار دیا گیا ہے حقیقت کو بے نقاب کرنے والوں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اعلان فرمایا ہے کہ انسان خدائی سانچہ پر ڈھلا ہے، ان اللہ خلق آدم علیٰ صورتہ خود خالقِ عالم کا ارشاد ہے، لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم، وکرمنا بنی آدم،

مولانا نے انسان کی عظمت و بزرگی پر اپنے کلام میں بے حد زور دیا ہے، یہ شے مولانا کے کلام کے ان خصوصیات میں ہے جو مولٰنا کو فارسی کے دیگر غزل گو صوفی شعراء سے ممتاز کرتی ہے، میرا یہ مطلب نہیں کہ اور لوگوں نے انسان کے شرف اور بزرگی کو بیان نہیں کیا، بلکہ یہ مولٰنا کے خاص مضامین شعر میں سے ہے، اور انھوں نے اس زور اور کثرت سے اس نقطۂ نظر پر بحث کی ہے کہ دوسروں کے کلام میں اسکی نظیر نہیں ملتی، ان کا دیوان انسانی شرف اور تعظیم کا ایک نغمۂ دل افزا ہے، کہیں انسان پر اسکی قدر و قیمت کا اظہار کرتے ہیں، کہیں اس کی عظمت اور بلندی کی تصویر پیش کرتے ہیں، اسے غیرت دلاتے ہیں اور نصیحت کرتے ہیں کہ "تو" دولت بے بہا ہے اپنا اصل محل اور موقف حاصل کر" ع

تو گوہری کہ کسے رابکف بہائے تو نیست

یہ صفت مولٰنا کی معنوی خصوصیات میں سے ایک ہے، انسان کی حقیقت اور عظمت کا بیان ہے۔

ماآب حیاتیم دریں جوئے روانیم — ما نور خدائیم دریں خانہ فتادیم
مامرغ شکرفیم دریں دام نہانیم — ما نورِ خدائیم دریں خانہ نہانیم
ماشاہِ زمینیم و سلیمانِ زمانیم — ما نور سمائیم ازاں فضل شمائیم

"زبورِ عجم" میں اسی بحر میں ایک مؤثر نظم ہے، جس کا ایک بند یہ ہے،

دارائے جہاں را تو یساری تو یمینی — ناموسِ ازل را تو امینی تو امینی
صہبائے یقیں درکش و از دیرِ گماں خیز — اے بندۂ خاکی تو زمینی تو زمانی

از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز

مولانا فرماتے ہیں:-

برتر ز زمین و آسمانیم — ما مہرِ سپہر لامکانیم ما
نے نے کہ بروں زاین و آنیم — ما برزخِ جامعیم و فاضل

ما محرمِ بارگاہِ اُنسیم　　در جامِ جہاں چو جانیم

ایک اور غزل کے اشعار ہیں،

ما گوہرِ کن فکانیم　　ما مردمِ دیدۂ عیانیم
ما شاہد حضرتِ جلالیم　　ما چشم و چراغِ انس و جانیم
ما نقطۂ مرکزِ زمینیم　　ما نکتۂ سرِ آسمانیم

انسان مسجودِ ملائک ہے،

اوست مسجودِ ملائک زانکہ بے ہمتاست او　　بارگاہِ رفعتش بیرونِ چرخِ چنبری

مولانا حکم فرماتے ہیں کہ انسان کو ذلت کی نگاہ سے مت دیکھو،

وجودِ قابلِ انسان چو مظہرِ حق است　　مکرّمست بدیں واسطہ مبیں خوارش

اس مضمون پر مثنوی میں بھی بیحد زور دیا گیا ہے،

وجہ آدم آئینہ اسماء کند　　عکسِ خود در صورتش پیدا کند
از رہِ صورت نماید غیرِ دوست　　چوں نظر کردی بمعنی جملہ اوست

مولنا کے خیال میں انسان ابد کے لئے بنایا گیا ہے،

طمع مدار کہ عمرِ تو اکراں باشد　　صفاتِ حقی و حق راحد و کراں زکجا

انسان کی منزل ذات کبریا ہے،

ما ز فلک برتریم و ز ملک افزوں تریم　　زیں دو چرا نگذریم منزلِ ما کبریاست

اسی پر ڈاکٹر اقبال نے کہا ہے،

شعلہ در گیر زد بر خس و خاشاکِ من　　مرشد رومی کہ گفت منزلِ ما کبریاست
(پیام مشرق)

انسان کی منزل نہایت بلند ہے، اس کو کبھی پستی کی طرف مائل نہ ہونا چاہیئے،

نبی بر فرقِ جان تا جے بری دل را بمعراجے — چو خورشیدش بر آرائی کہ سبحان الذی اسریٰ

انسان میں بے شمار کمالات چھپے ہوئے ہیں،

دلا زیں تنگ زندانہا رہے داری بمیدانہا — مگر خفتست پائے تو تو پنداری نداری پا

بانگِ درا میں ایک شعر ہے جو اس مفہوم کو ادا کرتا ہے،

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا — ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

انسان جب اس قدر باعظمت مخلوق ہے تو مولانا کے نزدیک اس کا نصب العین بھی نہایت بلند ہونا چاہیے، اس کی عظمت اس کے مقاصد کی بلندی ہی سے قائم رہ سکتی ہے،

مناقب العارفین میں لکھا ہے، مولانا نے ایک دن انسان کے بلند نصب العین کے متعلق یہ حدیث سنائی، ان اللہ یحب المعالی الامور

دیوان میں انسانی نصب العین متعین فرماتے ہیں،

ہمائی قاف قربی اے برادر — ہمارا جز ہمائے مصلحت نیست

ز آفتاب و ز مہتاب بگذرد نورم — چو روئے خود بہ شہنشاہِ دلنواز کنم

عہد حاضر کے پیام بر شاعر اقبال نے انسان کو یہی پیام دیا ہے،

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے — یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ

مولانا کے نزدیک زندہ دلی کا یہی شعار ہے،

شعارِ زندہ دلاں در طریق گرم رویست — اگر فسردہ نہ گرم دار بازارش

مثنوی معنوی میں ایک شعر ہے،

جملہ عالم ہست حاجتمند تو — تو گدا یانہ چہ گردی کو بکو

اسی منشاء اور مفہوم کی ایک غزل دیوان میں ہے، جس میں مولانا کی یہ خصوصیتِ سخن کامل

طور پر عیاں ہے،

منگر بہر گدائے کہ تو خاص ازان پاکی — مفروش خویش ارزاں کہ تو بس گرانبہائی

بعصا شگاف دریا کہ تو موسیِ زمانی — بدرآں قبائے مہ را کہ تو نورِ مصطفائی

بخراش دستِ خوباں کہ تو یوسفِ جمالی — چو مسیح دم فرودم کہ تو نیز ازان ہوائی

بصف اندرآئی تنہا کہ سفندیارِ وقتی — درِ خیبر ست برکن کہ علیِ مرتضائی

بستاں ز دیو خاتم کہ توئی بجاں سلیمان — بشکن سپاہ اختر کہ تو آفتاب رائی

چو خلیل رو در آتش کہ تو خالصی و دلکش — چو خضر ز آب حیواں کہ تو جوہرِ بقائی

بگسل زبے اصولاں مشنو فریبِ غولاں — تو زفیضِ ذوالجلالی تو ز پرتوِ خدائی

تو ہنوز نا پدیدی کہ جمالِ خود ندیدی — سحرے چو آفتابی ز درونِ خود برائی

شدہٗ غلام صورت بمثالِ بت پرستاں — تو چو یوسفی ولیکن سوئے خود نظر نداری

بخدا جمالِ خود را چو درآئینہ بہ بینی — بتِ خویش ہم تو باشی بکسے گذر نداری

من کان للہ فکان اللہ لہٗ

رنگِ بقا، سرخودی اور رمزِ بے خودی

حضرات صوفیاے کرام کے نزدیک سلوک الی اللہ کی دو حالتیں ہیں، ایک حالت کو فنا فی اللہ اور دوسری کیفیت کو بقا باللہ کہتے ہیں، جب بندہ عبدِ کامل بنجاتا ہے اور اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں کمالِ عجز کے ساتھ پیش کرتا ہے، یعنی

لن تنالوا البر حتی تنفقوا — ہر چہ داری صرف کن در راہِ او

پر عمل کرتا ہے تو اسے حالتِ فنا کہتے ہیں، اس منزل میں سالک پر مسکینی، عجز اور شکستگی طاری رہتی ہے، اس نسبت کی طرف اس کی توجہ رہتی ہے،

لیکن جب بندہ فانی بنکر خدائے شکور وغیور کی بارگاہ میں پیش ہوتا ہے، تو ادھر سے کمالات

کی تجلی ہوتی ہے،

چوں ازو گشتی ہمہ چیز از تو گشت   چوں ازو گشتی ہمہ چیز از تو گشت

فانی پر بقا کا پرتو پڑتا ہے، اس مرتبہ میں سالک کا حال مختلف ہوتا ہے، اس پر عظمت و جلال کا وہ دبدبہ چھایا ہوتا ہے کہ وہ اپنی اس نسبت کے آگے دنیائے دوں کی بڑی سے بڑی قوت اور شوکت کو ہیچ سمجھتا ہے، بڑے بڑے صاحبانِ شوکت لرزہ براندام ہو جاتے ہیں، ع

بے نیازی نازہا دارد بسے

جب اس نسبت کا استحکام ہو جائے تو کائنات کی ظاہری اور باطنی قوتیں تابع ہو جاتی ہیں، اسی حالت کو دوسرے الفاظ میں خودی اور بے خودی سے تعبیر کرتے ہیں، اور عالم فراق اور حالتِ وصال بھی کہتے ہیں

افلاکی کا بیان ہے کہ

"روزے در تفسیر ایں آیت معنی غریب بیان کرد کہ حق تعالیٰ کل شئی ہالک الا وجہہ فرمودہ است نہ آنست کہ مدح خود می کند و بر بندگانش از قدم بقا تفاخر می آرد کہ باقیم شما فانی بلکہ دعوت رحمت می کند کہ بکلی در من مستہلک شوید تا در وجہ کریم ما کہ "الا وجہہ" باقی و ابدی شوید،

کل شیئی ہالک الا وجہہ   چوں نہٗ در وجہ او ہستی مجو

ہر کہ اندر وجہ او باشد فنا   کل شئی ہالک نبود جزا

زانکہ در الا ست او از لا گذشت   ہر کہ در الا ست او فانی نگشت

مولانا نے "کل شئی ہالک الا وجہہ" کی یہی تفسیر فرمائی ہے،

بعض سالکانِ راہ پر ایک آن میں دونوں تجلیات ہوتے ہیں، مولانا کا یہی قول ہے،

گہ جانبِ شہر بقا گہ جانبِ دشتِ فنا

حضرت شمس کے متعلق فرماتے ہیں،

شمس گر گشت فانی بالذات　　　　در فنا با بقاست تا دانی

مولٰنا پر نسبت بقار کا غلبہ رہتا تھا، چونکہ ان کا کلام ان کے وجدان اور حال کا آئینہ ہے، اسلئے اس میں وہ جلال، بلند آہنگی، زور اور دبدبہ ہے کہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ بجلیاں ہیں کہ چمک رہی ہیں، بادل ہیں کہ گرج رہے ہیں اور جھوم جھوم کر برس رہے ہیں، مولٰنا کی غزلیات کی یہ خاص صفت ہے، یہ کیفیت اس رنگ میں شعرا میں سے کسی کے کلام میں نہیں پائی جاتی، نہ خسرو کی غزل میں یہ رنگ ہے نہ حسن کے کلام میں، نہ بلبل شیراز کے نغموں میں یہ زور ہے، نہ عراقی کے ساز میں یہ بلند آہنگی ہے، نہ سعدی کے بیان کا یہ طرز ہے، مولٰنا اس خصوص میں سارے صوفی شعرار سے ممتاز ہیں،

یہ انکے کلام کی ایسی خصوصیت ہے کہ خود مولانا نے بہ نفس نفیس اس کا اظہار فرمایا ہے،

مناقب میں ہے کہ حضرت مولانا نے سراج الدین تبرزی سے فرمایا کہ

"حکیم الٰہی خواجہ سنائی وخدمت فرید الدین عطار قدس اللہ سرہما، بس بزرگان دین بودند، لیکن اغلب سخن از فراق گفتند اما ما ہمہ از وصال گفتیم" (مناقب العارفین ص۱۴۱)

کلام پڑھ کر اس کی تصدیق ہوجاتی ہے کہ اس میں لذت امروز اور جوش فردا دونوں ہیں، بزبان ربانی رمز بقا کا اظہار فرمایا ہے،

چون خلیل من شدی ز آتش مترس　　　　کہ من از آتش گلستانت کنم
بر گلویت تیغہا را دست نیست　　　　گرچہ اسمٰعیلؑ قربانت کنم

ان اشعار میں من کان للہ فکان اللہ لہٗ کی تفسیر فرمائی ہے،

چو جان زار بلا دیدہ با خدا گوید　　　　کہ کس بجز تو ندارم چہ خوش بود بخدا
جوابش آید آزاں سو کہ من ترا زیں پیش　　　　بہیچ کس نہ گذارم چہ خوش بود بخدا

عبدیت کی چند روزہ "چاکری" سے باقی رہنے والی شاہی نصیب ہوتی ہے،

دو سہ روز شاہیت را چو شدم بصدق چاکر
بجہاں نماند شاہے کہ او چاکرم نیاید

رہ فنا ہی سے در بقا تک رسائی ہوتی ہے،

خمش کن و بشنو از قائلانِ روحانی
رہ فنا چو بہ بندی در بقا بکشاد

نسبت بقا کا جوش ملاحظہ ہو، ع

چو در کفِ سلطاں شدم یک ذرہ بودم کاں شدم

نیست کردم ننگِ ہستی را تمام
تا کہ بر زینِ بقا محکم شدم

کاسۂ پر زہر بودم دست در عیسیٰ زدم
خام دیدم خویش را در پختہ آویختم

چو مہ پیئے آفتاب رفتم
گہہ کاستم و گہے فزودم

خاموش کہ عاقبت مرا کار
محمود بود چو من ایازم

دولت عشق ہی سے انسان دولت پایندہ اور مردہ سے ابدی زندہ بنجاتا ہے،

مردہ بدم زندہ شدم گریہ بدم خندہ شدم
دولت عشق آمد و من دولت پایندہ شدم

ز شمس الدین تبریزی نگارا
دلے کو مست شد ہشیار باشد

طبیعت کا جوش اور نسبت بقا کا زور ملاحظہ ہو،

گفتند یافت نیست کہ بس جستہ ایم ما
گفت آنکہ یافت می نشود آنم آرزوست

باز از پستی سوئے بالا شدیم
طالب آں دلبر زیبا شدیم

ما دل اندر راہِ جاں انداختیم
غلغلے اندر جہاں انداختیم

مرزا غالب مولانا کے ایک شعر پر جس میں جوشِ بقا کا اظہار ہے سر دھنا کرتے تھے،

بہ زیرِ کنگرۂ کبریاش مردانند
فرشتہ صید و پیمبر شکار و یزداں گیر

گر تو خواہی وطن پر از دلدار
خانہ را رو تہی کن از اغیار (رومی)

توحید | مولانا نے مثنوی میں تصوف کے مسائل اور معارف تفصیل سے بیان کئے ہیں، کیونکہ وہ دورِ تمکین کی تصنیف ہے، لیکن دیوان میں صوفیانہ مسائل، معارف اور علوم کی نہیں بلکہ صوفیانہ جذبات اور احساسات کی پرجوش ترجمانی ہے، تصوف کی بنیاد مسئلۂ توحید پر ہے، صوفی کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ ہر طرح ایک کا ہو رہے، توحید کے معنی یہی ہیں کہ انسان ماسوائے اللہ سے آزاد ہو جائے، سوائے حق کے نہ کوئی اسکا معبود ہو نہ مقصود ہو، موجود[1] ہو نہ مشہود ہو،

ہر کہ پیماں با ہوالموجود بست گردنش از بند ہر معبود رست

اس کی زندگی اور موت صلوٰۃ و قربانی صرف ذات واحد کے لئے ہو، باطنی ترقی اور مذہب کا نصب العین یہی ہے، زندگی کے اسی رنگ کو صبغۃ اللہ کہتے ہیں، قُلْ اِنَّ صَلوٰتی ونُسکی ومحیای ومماتی للہِ رَبِّ العٰلمین، ابراہیم اسی توحیدی مسلک کے باعث "حنیف" کہلاتے ہیں، سارے روحانی امراض اور اخلاقی خبائث کا واحد علاج توحید ہی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی مسلک کی پیروی اور تکمیل کا منصب عطا ہوا،

اہل حق را رمز توحید از بر است در اتی الرحمن عبدا مضمر است
دیں از و حکمت از و آئیں از و زور از و قوت از و تمکیں از و
عالماں را جلوہ اش حیرت دہد عاشقاں را بر عمل قدرت دہد

ملتِ بیضا تن و جاں لا الٰہ ساز ما را پردہ گرداں لا الٰہ

---

[1] اس کا یہ مطلب نہیں کہ مخلوق (محسوسا) کی نفی قطعی کی جائے، بلکہ یہ کہ سوائے حق تعالیٰ کے کوئی وجود ذاتی خارجی نہیں رکھتا، ساری مخلوق صور علمیہ الٰہیہ ہے اور غیر حق ہے، اور وہ موجود موجود حق ہوئے ہیں ھوالاول والاٰخر والظاھر والباطن وھو بکل شئ علیم،

لا الٰہ سرمایۂ اسرارِ ما — رشتہ اش شیرازۂ افکارِ ما

ما مسلمانیم و اولادِ خلیل — از "ابیکم" گیر اگر خواہی دلیل

تیرِ خوش پیکانِ یک کیشیم ما — یک نمایک بیں، یک اندیشیم ما

(رموزِ بیخودی)

مثنوی معنوی میں مسائلِ تصوّف کی روح اعظم یہی مسئلہ ہے،

چیست توحید خدا آموختن — پیش واحد خویشتن را سوختن

گر ہمی خواہی کہ بفروزی چو روز — ہستیِ ہمچون شبِ خود را بسوز

دو مگو و دو مداں و دو مخواں — بندہ را در خواجۂ خود محو داں

دیوان میں مسئلۂ توحید یعنی ایک کے ہو رہنے پر مولٰنا نے بیحد زور دیا ہے اور اس میں جوش اور غیرت دلانے کا ان کا جو خاص انداز ہے، وہ ہر جگہ نمایاں ہے،

صوفی شعرا میں اگرچہ ہر ایک نے اصولاً اسی مسئلہ کو بنیاد ٹھہرایا ہے، لیکن ان جذبات کا اظہار ان کے کلام اور ان کے بیان کا جزوِ اعظم نہیں ہے، مثلاً جامی کا رنگ زیادہ تر نعتیہ ہے، سعدی، خسرو اور حافظ نے پیرایۂ مجاز اختیار کیا ہے، خواجہ حافظ فرماتے ہیں،

از دل و جاں شرفِ صحبتِ جاناں غرض است — ہمہ این ست وگرنہ دل و جاں ایں ہمہ نیست

ان کے کلام میں یہ مضمون بکثرت نہیں آتا، جیسے اور مضامین آتے ہیں،

البتہ عراقی اس خصوص میں ایک حد تک مولانا کے ہمرنگ ہیں،

مرا جز عشقِ تو جانے نمی بینم نمی بینم — دلم را جز تو جانانے نمی بینم نمی بینم

لیکن دونوں کا اسلوبِ ادا بالکل جداگانہ ہے،

مولانا کے دیوان میں خیال اور بیان کے زور اور جوش کی روح یہی مسئلہ ہے، اس گلزارِ توحید کے چند پھول ملاحظہ ہوں،

ایک کا ہو رہنا،

از بہر خدا عشق دگر یار مدارید — در مجلسِ جاں فکر دگر کار مدارید
یار دگر و کار دگر کفر محالست — در مذہبِ حق مذہبِ کفار مدارید

مولانا کے نزدیک ظہورِ کثرت کا مقصد ہی حصولِ توحید ہے،

اے از جمالِ حسنِ تو عالم نشانۂ — مقصود حسنِ تست دگرہا بہانۂ

اگر عکس غیر آبِ حیات میں بھی ہو تو مولانا کے نزدیک ہیچ ہے،

ہر آں آبے کہ در روے عکس غیر است
اگر آبِ حیات است آں نشاید

بے گانگی خارِ عشق ہے،

ہر چہ غیر خیال معشوق است — خارِ عشق است اگر بود گلزار
خارِ بے گانہ را تو یکسو کن، — خارِ گل را بجاے دل می دار
گر تو خواہی وطن پر از دلدار — خانہ را رو تہی کن از اغیار

مولانا کو صرف جمالِ حق منظور ہے، اور وہی مشہود ہے،

مرا غیر تماشاے جمالت — نباشد در جہاں خود کارِ دیگر

کائنات کے سارے مشاغل سے عشق حق اپنے لئے انتخاب کیا ہے،

از جملہ جہان و عیش عالم — من عشقِ تو اختیار کردم

اس اعلیٰ نسبت کے بعد ادنیٰ نسبت کی طرف توجہ نہیں ہوسکتی،

چونکہ کمر بستہ ام بہر چناں مے بجد
از پئے ہر ستارۂ ترکِ قمر چرا کنم

ترکِ شہودِ حق — تویٔ آفتاب چشم بجمالِ تست روشن،
اگر از تو باز گردم بکہ چشم باز دارم

ہمہ جمالِ تو بینم چو چشم باز کنم — ہمہ شراب تو نوشم چو لب فراز کنم

بایں بہانہ درین بزم محرمے جویم، — غزل سرایم و پیغام آشنا گویم

پیغام گوئی — عہد جدید میں پیغام گوئی شاعری کی ایک خاص نوع سمجھی جاتی ہے، اور اسکی آجکل علمی اور ادبی حلقوں میں اہمیت بھی بہت زیادہ ہے، جب شاعر کا کلام سامنے آتا ہے، تو اس کے دفتر معنی مین یہ تلاش کیا جاتا ہے کہ آیا اس نے زندگی کے متعلق کوئی خاص نصب العین اور کوئی خاص تصور پیش کیا ہے، یا نہیں، اس کے پاس بنی نوع کے لئے کوئی خاص پیغام بھی ہے یا نہیں، جس کسی شاعر کے کلام میں یہ صفت پائی جاتی ہے، اسے پیغام گو اور اس شاعری کو پیغام گوئی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے،

اردو مین اکبر اور اقبال دو زبردست پیغام گو شاعر ہین، اسی بنا پر ایک کو ترجمانِ حقیقت اور دوسرے کو لسان العصر کہتے ہین، چونکہ اس دور میں شاعری کے اس رنگ کی قدر ہے، اس لئے اس رنگ کی اہمیت محسوس کیجا رہی ہے، سوال یہ ہے کہ پیغام گوئی کی تعریف کیا ہے،

کہا یہ جاتا ہے کہ جب کوئی شاعر زندگی کے بنیادی حقائق، اور عروجِ انسانی کے اساسی اصول کو موزون اور پر اثر کلام کی صورت میں بطور پیام پیش کرے، اور مخاطب کے لئے خیال اور عمل کی ایک مخصوص راہ منتخب کرے، تو اس قسم کی شاعری کو پیام گوئی سے موسوم کیا جاتا، اور شاعر اسی روشنی میں پیغامبر کہا جاتا ہے، اسی نقطۂ نظر سے گرامی مرحوم نے علامۂ اقبال کے متعلق لکھا ہے،

در دیدۂ معنی نگہان حضرتِ اقبال — پیغمبری کرد و پیمبر نتوان گفت،

لیکن اس سے اخلاقی پند و نصائح کی وہ صورت خارج ہے، جو بوستان وغیرہ مین پائی جاتی ہے، یا اردو میں مولوی اسمٰعیل صاحب میرٹھی کی نظمون میں ہے،

فارسی شاعری کے صوفی اور رند مشرب شعراء کے منظومات میں اپنے اپنے مشرب کے مطابق کچھ نہ کچھ ایسا پیام ملتا ہے مثلاً عطار اور عمر خیام کا کلام لیکن وہ اتفاقیہ ضمنی یا غیر شعوری طور پر ہے جس کسی کے کلام مین حقائق کی ترجمانی ہے تو وہ بصورت پیام نہین، برخلاف اس کے مولانا کے کلام مین یہ رنگ غالب ہے، اور مولانا نے عمداً یہ رنگ اختیار کیا ہے، شاعری اونھون نے اسی لئے اختیار کی ہے، ان کے لئے غزل یا مثنوی صرف ایک بہانہ ہے، جس کے ذریعہ سے انھین پیام آشنا بحرم راز یا گوش آشنا تک پہونچانا مقصود ہے، جامی نے اون کے متعلق بالکل سچ کہا ہے، کہ ع

نیست پیغمبر و لے دارد کتاب

شاعری انھین اس لئے ملی ہے کہ اون کا پیام جذباتی رنگ کے ذریعہ لوگون کے دلون تک پہونچ جائے، ان کی شاعری ان کے پیغام کے تابع ہے، اس کی تاریخی شہادت ہم نے پچھلے مباحث مین درج کر دی ہے،

پیغام گوئی کے نقطۂ نظر سے مولانائے روم اس زمانہ سے دور حاضر تک فارسی زبان کے سب سے بڑے پیغام گو شاعر ہین،

البتہ اس دور مین ڈاکٹر اقبال ہی فارسی کے ایک ایسے شاعر ہین، جنھون نے مولانا کے کلام کی اس خصوصیت کو کامل طور پر محسوس کیا، اور اس کے قدر شناس ہین، اس رنگ کو خود اونھون نے ایک خاص مجتہدانہ طریقہ پر حیرت انگیز ترقی دی ہے، اسرار خودی مین اقبال نے اس کا اقرار کیا ہے،

باز بر خوانم ز فیضِ پیرِ روم	دفتر سربستۂ اسرارِ علوم
جانِ اُو از شعلہ ہا سرمایہ دار	من فروغِ یک نفس مثلِ شرار
پیرِ رومی خاک را اکسیر کرد	از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد
موجم و در بحرِ او منزل کنم	تا دُرِ تابندۂ حاصل کنم،

من کہ مستیہا ز صہبایش کنم،
زندگانی از نفسہایش کنم،

بمصداق مشتے نمونہ از خروارے مولانا کے پیامات کی طرف توجہ کیجاتی ہے، مولانا مادی ذہنیت اور مادی زندگی کے سخت مخالف ہیں، وہ انسان سے مخاطب ہوکر یہ پیام دیتے ہیں کہ تیری ہستی اشرف ترین خلائق ہے، تو صرف ادنی چیزون پر کیون نظر کرتا ہے، اور قانع ہوتا ہے،

حرص کاہ وجو مدار و خرمان در آب و گل تا نمانی زاب و گل مانندِ خرا ندر خلاب
چون بسگ نان افگنی سگ بو کند آنگہ خورد سگ نہ شیری چہ باشد ہر آن چندین شتاب

عشق است و عاشق است کہ باقیست تا ابد دل بر جبد منہ کہ بجز مستعار نیست

رجائیت و پیغام طرب، | مولانا صاحب ولایت ہین، ولایت اور حزن و خوف مین تضاد ہے،

چنانچہ قرآن مجید مین وارد ہے، الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم و لا ھم یحزنون بندۂ مسلم طریق رضا اور راہِ ہستی مین کوکب درخشان کی طرح تبسم برلب گذر جاتا ہے، غیر اللہ کا خوف آزادانہ عمل کا دشمن ہے، اور یہی حریت اور زندگی کے میدان مین راہزنی کرتا ہے،

اے کہ در زندانِ غم باشی اسیر از نبی تعلیم لا تحزن بگیر،
قوتِ ایمان حیات افزایدت ورد لا خوف علیھم بایدت
چون کلیمے سوے فرعونے رود قلبِ او از لاتخف محکم شود
گر خدا داری ز غم آزاد شو،
از خیالِ بیش و کم آزاد شو،

(اقبال)

حزن ویاس ام الخبائث ہیں، مولینا اس لئے حزن ویاس کے بڑے دشمن ہیں، کہ یہ دونون جذبات زندگی کو ختم کر دیتے ہین، اسلئے وہ حکم دیتے ہین،

سوے شورستان رُوان کن شاخ از آب حیات چون گل وسوسن بخندان خار غم فرسودرا

بگرداے مرغ دل پیرامن غم، کہ در غم بال و پر محکم نہ گردد،
ملول اسرار را محرم نہ گردد،

عالی ہمتی، مولانا کے کلام میں انسان کے لئے بلند نظری، عالی ہمتی اور اظہار عزم کے لئے پیامات ہیں،

چون چشمہ بجوشش از دل سنگ بشکن تو سبوے جسم وجان را
بر بند دو چشم عیب بیں را،
بکشائے دو چشم غیب داں را

چون عنکبوت چنان صید ہاے زفت گرفت ببیں چہ صید کند دام ربی الاعلیٰ
گفتم کہ نہ یافت می شود جستہ ایم ما
گفت آنکہ یافت من نشود آنم آرزوست،

میان حلقہ عشاق چون نگیں مباش علم بزن چون دلیران میانہ صحرا،

مولینا جمود شک اور تذبذب کے سخت مخالف ہین، ان کا پیغام جد وجہد اور یقین کے جذبات کا حامل ہے،

دامن جد و جہد را بکشائے، کز فلک در نثار خواہد بود،

آزادی عشق، در گلستان چو سرو آزاد باش در کشاد دل چو عشق استاد باش

وہ عشق کے پیغامبر و مبلغ ہیں،

گرنہ دیوانۂ رو خویش را دیوانہ ساز

دو زخِ عشق نگر تا بصفت مرد شوی　　پیشِ مردان منشین کز دمِ شان مرد شوی

قلب انسان کو محرم اسرار غیب ہونا ضروری ہے، اون کا پیغام یہ ہے کہ انسان عرشِ مجید کو اپنا مقام بنائے،

مارا نبیذ و بادہ از چشم غیب باید،　　مارا مقام و قبلہ عرشِ مجید باید،

وہ منادی کرتے ہیں کہ رسالت سے ربط رکھو، علم و عمل کی تصحیح انسانیت اسی روشنی میں کرے، ملاحظہ ہو،

نیش بکشتیِ نوح و بگیر دامنِ روح　　بہ بحرِ عشق کہ ہر لحظہ جزر و مد باشد

مشکوٰۃ رسالت کی آخری شمع حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، انکے متعلق فرماتے ہیں،

رو لے احمدِ مرسل بگیر اے عاشق　　صلائے عشق شنو ہر دمے ز روحِ بلال

مجو سعادت و دولت دریں جہان کہ نیابی　　ز بندگیش طلب کن سعادت دو جہانی

بعض بعض غزلین کا ملاً پیغام ہی کی صورت میں ہین،

ہم رنگِ جماعت شو تا لذتِ جان بینی　　در کوئے خرابات آتا درد کشان بینی،

بشکن بتِ خاکی را تا روے بتان بینی،　　بر بند دو چشم سر تا چشم نہان بینی،

با وسعت ارض اللہ در حبس چہ چسپیدی　　ز اندیشہ گرہ کم زن تا شرحِ جنان بینی

خاموش شو راز گفتن تا گفت بری بارے

از جان و جہان بگذر تا جانِ جہاں بینی

تو یار خلوت نازی مقیم پردۂ رازی　　قرار گاہ چہ سازی درین نشیمن فانی

تو مرغ عالمِ قدسی ندیم مجلس انسی　　ازیں حظیرہ برون پر کہ مرغ عالمِ جانی

بحال خود نظرے کن برو برو سفرے کن

زحبس عالم صورت بمرغزار معانی

پیر روشن ضمیر کی تعریف، مولینا کے مہمات مضامین سے ایک خاص مضمون اپنے پیر روشن ضمیر حضرت شمس کی مدح کا ہے انھوں نے سینکڑوں اسلوب سے اس مضمون کو ادا کیا ہے، یہ ان کے دیوان کی ایسی خصوصیت ہے جو کسی صوفی شاعر کے دیوان میں نہیں پائی جاتی، اس موضوع سے متعلق ہم نے داخلی شہادت میں طول طویل بحث کی ہے، اسلئے اب یہاں نہایت اختصار سے کام لیا جاتا ہے، اگرچہ یہ شمس تبریزی کی مدح ہے، لیکن درحقیقت انسان کامل کا تصور پیش کیا ہے،

شنو این رمز عشاق از نوائے بربط جانم	کہ شمس الدین تبریزی ہمی گوید بافسانہ
بیا اے شمس تبریزی کہ در رفعت سلیمانی	زہے بزم خدایانہ زہے سیمائے شاہانہ
اے قاصد باد صبا از راہ لطفت عرض کن	بر شمس تبریزی زما ہر دم ہزاراں آفرین
دل خود را ز شمس الدین تبریز	ہمیشہ روشن و معمور خواہم،
شمس الدین تبریزی در آئینہ صفایت	گر غیر خدا بینم باشم بتر از کافر
اے شمس دین اے شمس دین مفتاح علم گنج دین	عشق تو در ہر دو جہان ما ہمگنان در کار شد

استدلال تمثیلی، مسلمہ حقائق یا ذاتی خیالات اور نظریات کو ظاہر کرنے اور اون پر زور دینے کا ایک دلچسپ اور پر اثر طریقہ یہ ہے، کہ انھیں تمثیلی پیرایہ میں بیان کیا جائے، یہ طریق استدلال بعض موقع پر صحیح ہوتا ہے، اور بعض موقع پر غلط بھی ہو سکتا ہے، بعض لوگ اس میں زبردست منطقی دھوکا دیتے ہیں، اچھی اور صحیح بات کو اچھی مثال کے پیرایہ میں پیش کر کے اسے قوی کر سکتے ہیں، اور بری مثال اور غلط تمثیل سے مخاطب کو غلط تخیلات میں مبتلا کیا جا سکتا ہے یا کسی غلط تصور یا خیال کو نہایت لطیف تشبیہ اور مثال کی صورت میں پیش کیا جا سکتا ہے، گویا سوفسطائت سے کام لیتے ہیں لیکن

جب کوئی خیال حقیقت کا بھی حامل ہو، اور اسے عمدہ تمثیلی پیرایہ میں پیش کیا جائے تو اس سے اسکی قوت بڑھجاتی ہے، یہ استدلال عام فہم ہوتا ہے، مولینا تمثیلی استدلال میں بڑا کمال رکھتے ہین، مثنوی میں ہزاروں مواقع پر اس کمال کا بڑی خوبی سے اظہار فرمایا ہے، جس سے مثنوی کے دقیق مطالب واضح اور روشن ہوگئے ہین، دیوان میں بھی ان کا یہ رنگ قائم ہے، عمر خیام وغیرہ جیسے شعراء یا حکمائے نے اپنے ذاتی خیالات اور عیش پسندانہ جذبات کو تمثیلی پیرایہ میں ظاہر کیا ہے، اور ان پر خطابی یعنی شاعرانہ دلائل قائم کئے ہین،

مولینا اس کے جواب میں دینی حقائق اور غیبی معارف اور اخلاقی مسلمات کو اس پیرایہ میں بیان کرتے ہین، اور جواباً نہایت خوبی سے خطابی دلائل لاتے ہین،

مثلاً معاد کے انکار میں عمر خیام نے لکھا ہے، کہ آدمی کوئی گھاس نہیں ہے، کہ ایک بار کاٹ لیں، اور وہ دوبارہ زمین سے پیدا ہو،

مولینا اس خیال کی تردید اسی پیرایہ میں فرماتے ہین،

کدام دانہ فرورفت در زمیں کہ نہ رست   چرا بہ دانۂ انسانت این گمان باشد

اور کئی مسائل مولینا نے اسی پیرایہ میں لکھے ہین، چنانچہ فرماتے ہین:-

شمع جاں را گر دایں لگن تن چہ کنی   این لگن گر نہ بود شمع ترا صد لگن است

چنانکہ آب حکایت کند ز اختر و ماہ   ز عقل و روح حکایت کنند قالبہا

کائنات میں ایک چیز مختلف مراتب ترقی سے گزر رہی ہے، مولینا فرماتے ہین تو ایک درجہ پر پہنچکر مایوس مت ہو، کہ تجھے اس سے آگے کا درجہ ملے گا،

ہزار مرغ عجیب از گل تو پر سازند   چو ز آب و گل گذری تا دگر چہا کنند

ذمہ داری کے نقطۂ نظر سے اپنی حیثیت واضح فرماتے ہین،

من نہ خود آمدم اینجا کہ بخود باز روم　　　　ہر کہ آورد مرا باز برد در وطنم

عربیت مہمات مضامین کی بحث ختم ہو چکی لیکن ابھی بعض اور خصوصیات توضیح اور تشریح کی محتاج ہیں

مولینا نے بچپن ہی میں اپنے والد بزرگوار کی نگرانی میں علوم ظاہر کی تحصیل شروع کر دی تھی اور لغت، ادب، فقہ، معقولات، حدیث، و تفسیر میں ایسا کمال پیدا کیا، کہ بہت جلد مستند علما میں شمار ہونے لگے، سپہ سالار کا بیان ہے،

"در علوم رسمی چوں اقسام لغات و عربیت و فقہ و حدیث و تفسیر و معقولات و منقولات به غایتے رسیده بود که درآن عصر سرآمد همه علماء دهر شده بود،"

(سپہ سالار ص ۱۶)

اس سے مقصود یہ بتانا ہے، کہ عربی ادب اور لغت میں بھی مولینا کو پورا کمال حاصل تھا دیوان میں بھی ان کا یہ کمال مختلف صورتوں میں نمایاں ہے،

کہیں کسی غزل میں بعض اشعار عربی کے ہیں، کہیں صرف بعض مصرعے عربی کے ہیں، کہیں پوری کی پوری غزل اسی جوش و روانی کے ساتھ جو فارسی غزلیات میں ہے، عربی میں لکھی ہے، اس طرح دیوان میں عربی کی کئی غزلیات ہیں،

عربی غزل میں بھی حضرت شمس کی مدح و تعریف اپنی عام عادت کے مطابق کرتے ہیں،

یا منیر النجد یا روح البقا　　　　یا مجیر البدر فی کبد السماء
انما التبریز عرش منیر　　　　حبذا تبریز ارضا حبذا

تم سار الینا وجب الحب علینا　　　　سطع العشق لدینا طرد العشق منامی
سلب العشق فوادی حصل الیوم مرادی　　　　بزن ای مطرب عارف زہی دولت زہی شادی

قرآن مجید کی آیات کے مختلف ٹکڑے اپنے اشعار میں داخل کرتے ہیں جن سے بعض اوقات

معنی کی پوری خوبی اور کلام کا منشا، اور مفہوم کامل طور پر واضح ہوجاتا ہے،

نوبت ہجر در انتظار گذشت ۔۔۔ فادخلوا الدار یا اولی الالباب

گر شما محرم ضمیر نئید، ۔۔۔ فاسئلوا هُنَّ من وراء حجاب

بعثر مافی القبور حصل مافی الصدور ۔۔۔ آمده آواز صور روح بمقصد رسید،

بر گھا چون نامہا بروی نوشتہ خط سبز ۔۔۔ شرح آن خطها بخوں از عند ام الکتاب

تسلسل مضامین، جب سے مغربی تعلیم مشرق میں پھیلی ہے، اور مغربی ادب کا اثر مشرقی ادبیات پر پڑا ہے، بعض لوگ عموماً مشرقی شعرا، اور خاصکر اردو اور فارسی غزل پر یہ اعتراض کرتے ہیں، کہ یہ تو شعر کی ایک مہمل صورت ہے، اس میں نہ خیالات کا کوئی تسلسل ہوتا ہے، نہ جذبات کی یکرنگی ظاہر ہوتی ہے، اصولاً یہ اعتراض غلط ہے، کیونکہ یہ کیا ضروری ہے کہ ہر شاعر کے جذبات میں یکرنگی ہو، اور جذبات و خیالات کا اظہار ایک علمی مضمون کی طرح شعر میں بھی منطقی تسلسل کے ساتھ کیا جائے، یہ تو شاعر کے شخصی رجحان پر ہے، جیسا طبیعت کا رنگ ہوگا، جذبات کی جو نوعیت ہوگی، اسی طور پر خیالات اور جذبات کی ترجمانی ہوگی،

اس بحث کے قطع نظر بھی یہ اعتراض غلط ہے، فارسی میں متعدد ایسے شعرا ہیں، جن کی غزلیات میں مضامین کا تسلسل پایا جاتا ہے، مثلاً عراقی، مغربی، مولانا روم وغیرہ، مولینا غزل گوئی میں تسلسل مضامین کے موجد ہیں، کیونکہ مولینا کے ہمعصر مجتہد غزل گو شاعر سعدی ہیں، ان کی غزلیات میں یہ خصوصیت نہیں ہے، ہاں مولینا کے معاصرین میں عراقی کی غزلیات میں بھی مضمون کا تسلسل ایک حد تک پایا جاتا ہے،

مولینا کے دیوان میں بکثرت ایسی غزلیں ہیں، جن پر نہایت آسانی کے ساتھ کوئی عنوان لکھدیا جاسکتا ہے، جس سے وہ صاف مسلسل نظمیں معلوم ہوں گی، اسکی وجہ یہ ہے کہ ان کی غزلیں

کسی خاص حالت کے تحت مین لکھی گئی ہین، اسلئے ہر غزل میں کسی نہ کسی خاص حالت یا جذبے کا مسلسل بیان ہے
ان کا کلام جذبات کا آئینہ ہے، مثلاً ایک غزل میں شادی وصال کا اظہار کیا ہے،

معشوقہ بہ سامان شد تا باد چنین بادا، | کفرش ہمہ ایمان شد تا باد چنین بادا
زان طلعتِ شاہانہ زان مشعلۂ خانہ، | ہر گوشہ چو بستان شد تا باد چنین بادا
غم رفت و فتوح آمد شب رفت و صبوح آمد | خورشید درخشاں شد تا باد چنین بادا

ایک غزل ہے جس میں مسلسل بے نیازی عشق کو بیان کیا ہے،

مردِ خدا مست بود بے شراب | مردِ خدا سیر بود بے کباب،
مردِ خدا شاہ بود زیر دلق | مردِ خدا گنج بود در خراب،
مردِ خدا بحر بود بے کران | مردِ خدا قطرہ بود بے سحاب،

یار مطلوب ہے، اور ربط یار کی اہمیت و لذت کا احساس قلب پر طاری ہے، فرماتے ہین،

مرا عقیقِ تو باید شکر چہ سود کند | مرا جمال تو باید قمر چہ سود کند
چو چشم مست تو نبود شراب را چہ طرب | چو ہمرہم تو نباشی سفر چہ سود کند

یہ خیال آتا ہے کہ بے یار سب عیش و عشرت بے معنی ہے، بس اسی خیال کو ظاہر فرماتے ہین،

اے بے تو حرام زندگانی | خود بے تو کدام زندگانی،
اے وصل تو آبِ زندگانی | تدبیر خلوص ما تو دانی ،
از دیدہ برون مشو کہ نوری، | از سینہ جدا مشو کہ جانی ،

مولینا ایک محرم راز کی تلاش میں ہین، اس تمنا کا اظہار مسلسل ایک غزل میں فرماتے ہین،

چہ بودے کہ یک گوش پیدا شدے | شنیدے زبانہائے مرغان ما
چہ بودے کہ یک چشم پیدا شدے | کہ دیدے درختانِ بستانِ ما

چہ بود سے کہ موج پدید آمدے گہر بارازان بحرِ عمان ما

کہیں کہیں مسلسل غزلیں پرلطف مکالمہ کی صورت میں ہین،

گفتم شہا بس قطرہا در ہجر تو باریدہ ام گفتا چہ غم ہر قطرہ را من لولوئے مکنون کنم

گفتم شہا بسیار شب دیدہ نیا لودم بخواب گفتا شبے را صد شبے در عمر تو افزون کنم

کبھی حال کی شدت ہوتی تھی تو اسکو نہ صرف ایک غزل میں بلکہ مسلسل کئی غزلون میں ظاہر کرتے ہین بعض اوقات یہ غزلیں ایک ہی بحر اور ردیف وقافیہ میں ہوتی ہین، ایک غزل جس کا مطلع یہ ہے،

واں ربابیے را بگو مرداں سلامت میکنند واں مرغ آبے را بگو مردان سلامت میکنند

مسلسل چار غزلین اسی مضمون اور اسی بحر ردیف اور قافیہ میں لکھی ہیں، ابتداء میں وجد اور مستی طاری رہتی تھی کئی ایسی غزلیں مسلسل ہین جنکی ردیف "مست" ہے جس سے شدتِ حال کا پتہ بھی چلتا ہے، ہم مثالاً چند مطلعے درج کرتے ہیں،

آمد آن ساقی کہ مارا کرد از دیدار مست وز شرابِ لعلِ او شد زاہد و خمار مست

از سقٰہم ربہم بین جملۂ ابرار مست، وز شرابِ لایزالی ہفت و پنج و چار مست

اے سرِ من در ہوائے احمد مختار مست، وے دلِ من در ہوای حیدر کرار مست،

شاعرانہ بیان کی خوبیان یعنی شعر کے صوری محاسن

ہم نے ابتک مولینا کی غزلیات کی معنوی خوبیان یا شاعرانہ خیال کے محاسن بیان کئے، اب ہم ان کے کلام میں شاعرانہ بیان کی جو خوبیان پائی جاتی ہین، انکی طرف متوجہ ہوتے ہیں،

مولینا کے کلام میں شاعرانہ طرزادا کی بہت سی خوبیان ہین،

سادگی

ان میں سے ایک سادگیٔ بیان ہے یعنی مولینا اشعار میں اپنا مطلب اس طرح ادا کرتے ہیں،

کہ سمجھنے میں مطلق دقت نہیں ہوتی، جیسے فارسی کے نامی غزل گو شاعر بیدل کے کلام کے سمجھنے میں ہوتی ہے، مولانا بالعموم ایسے ہی الفاظ استعمال کرتے ہیں، جن سے زبان مانوس اور کان آشنا ہیں، ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے، کہ خود ان کے خیالات میں سادگی ہے، یعنی ان کے تصورات اور خیالات پیچیدہ اور الجھے ہوئے نہیں ہیں، جس خیال پر وہ شعر کی بنا رکھتے ہیں، وہ ان کے سامنے واضح ہوتا ہے، وہ کوئی ایسی بات دوسروں کو نہیں سمجھانا چاہتے، جسکو خود انھوں نے بخوبی نہ سمجھا ہو اور کسی ایسی کیفیت کی ترجمانی نہیں کرتے، جو ان پر گذری ہی نہ ہو، لفظوں کی ترکیب اکثر جگہ قواعد زبان اور اصول بیان کے مطابق ہوتی ہے، ان کے اشعار میں مضمون کے ضروری اجزا، ترک نہیں کر دیئے جاتے، جس سے شعر کا سمجھنا معمہ کا حل کرنا ہو جائے، یہ ساری چیزیں ایسی ہیں، جن کے باعث ان کے کلام میں سادگی اور سلاست پیدا ہو گئی ہے،

برچرخ سحرگاہ یکے ماہ عیاں شد . تا سرِّ تجلّی ازل جملہ بیان شد

چنان آمیختم با وے کہ دل با من نیامیزد . نخست از عشق او زادم بآخر دل بدو دادم

من از عالم ترا تنہا گزینم . روا داری کہ من غمگین نشینم،

مکانم لامکان باشد نشانم بے نشان باشد . نہ تن باشد نہ جان باشد کہ من از جانِ جانانم

عشق است در آسمان پریدن . صد پردہ بہر نفس دریدن

ہر کہ بہر تو انتظار کند . بخت و اقبال را شکار کند

ہاں اتنا ضرور ہے کہ یہ سلاست کمال کی اس حد تک نہیں پائی جاتی، جسے سہل ممتنع کہتے ہیں، غزل گو شعرا میں یہ صفت شیخ سعدی کا خاص کمال ہے،

جدتِ حسنِ تشبیہ شاعر کا فرض جذبات کی ترجمانی ہے، جذبات کی ترجمانی ہر موقع پر بلا استعارہ و تشبیہ کے ممکن نہیں، ناقابل بیان جذبات کو الفاظ کا جامہ پہنایا، اور محسوس کو مشہود بنانے کے لئے تشبیہ اور استعارے

سے کام لیا جاتا ہے، اس کا منشا یہ ہوتا ہے، کہ مطلب واضح ہو جائے، مولینا اپنے کلام کے مقصود اور منشا کے مطابق نہ صرف تشبیہ کا استعمال کرتے ہیں، بلکہ وہ تشبیہ کے موجدین میں ہیں، یہ اسلئے کہ وہ غزل کے دور اول کے شعرا میں ہیں، انھوں نے سیکڑوں تشبیہات کو غزل میں استعمال کیا ہے، ان کا کلام کثیر ہے، اسلئے ان کا شمار مقلدین میں نہیں بلکہ موجدین اور مجتہدین میں ہے،

وہ اپنے کلام میں ایسی تشبیہیں اور استعارے نہیں لاتے، جن تک ذہن کی رسائی مشکل ہو، اور کلام ایک حل طلب معمہ بنجائے، بلکہ انھوں نے کلام میں تشبیہ اور استعارے کا استعمال اس طریقہ سے کیا ہے، کہ اگر ایک طرف اعلی مطالب اور بلند خیالات واضح تر ہو گئے ہیں تو دوسری طرف ان سے ان کے حسن بیان میں اضافہ ہو گیا ہے، حسن بیان اور حسن تشبیہ کی مثالیں ملاحظہ ہوں!

در شہر کہ دیداست چنیں شہرہ بتے را ۔۔۔ در بر کہ کشیداست سہیل و قمرے را

شب قدر است موے تو کزو یابند دلہا ۔۔۔ مہ بدرست روے تو کزو رفتند ظلمتہا،

گیریم دامن گل و ہمراہ گل شویم، ۔۔۔ رقصان ہمی شویم چو شاخ نہال گل

ززندان زہرہ را آزاد کردم، ۔۔۔ روان عاشقاں را شاد کردم،

بحر کی موزونیت اور کلام کی روانی

شاعرانہ بیان یا طرز ادا کے محاسن میں ایک اہم جزو بحر کا انتخاب ہے، یہ شاعر کے ذوق سلیم پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ جذبات اور خیالات کی مناسبت سے بحر کا انتخاب کرے، پرجوش اور مسرت انگیز جذبات کے لئے ایسی بحر یں استعمال نہ کرے، جس سے ادائے مطلب میں سستی ظاہر ہو، عشق کے لطیف اور نازک احساسات کے لئے ایسی بحر منتخب کرنی چاہیئے جو رزمیہ نظم کے لئے موزون ہو، مثلاً فردوسی نے اپنی مثنوی یوسف و زلیخا میں یہی غلطی کی تھی، جس سے اس کی نظم شاہنامہ کے مقابلے میں ناکام رہی،

مولینا کے کلام میں یہ خصوصیت ہے کہ وہ اپنے خیالات ان کی قوت اور جوش کے مطابق

بحریں استعمال کرتے ہیں، نہ صرف بحر، بلکہ ردیف اور قافیے تک اکثر جگہ نہایت مناسب اور برمحل ہیں، یہ خصوصیت خسرو میں بھی حد کمال تک پہنچ گئی ہے، اگر ان خیالات کو حافظ یا خسرو کی بحرون میں ادا کیا جائے، تو ان کے کلام کا زور اور اسکی روانی باقی نہ رہے گی، اسی طرح حسن دہلوی اور خسرو نے جن خیالات کو چھوٹی چھوٹی پاکیزہ بحروں میں ادا کیا ہے، اگر انکے لئے مولینا کی غزلون کی بحریں استعمال کیجائین، تو کلام بدمزہ ہو جائے گا،

مولینا کے اس حسن انتخاب کے باعث ان کے کلام میں بڑی روانی پیدا ہو گئی ہے، اکثر بحرین شدت حال، جوش دل اور زور وارفتگی کے مناسب ہیں، چند مثالوں سے ان کی اس خصوصیت کا اندازہ ہو جائے گا،

جوش بہار:۔

بہار آمد بہار آمد سلام آورد مستاں را ازاں شاہنشہ خوبان پیام آورد مستاں را

چو خسرو زلف شیرین را گرفتم اگر قصد سر فرہاد کردم،

اپنی حقیقت:۔

نہ از دنیا نہ از عقبی نہ از جنت نہ از دوزخ نہ از آدم نہ از حوا نہ از فردوس رضوانم

ربط پیر:۔

بے دولت مخدومی شمس الحق تبریز نے ماہ تواں دیدن نے بحر تواں شد

فخر نسبت:۔

بخت جوان یار ما دادن جان کار ما قافلہ سالار ما فخر جہاں مصطفیٰ است

لطیف اور نازک مضامین کے لئے پھول سی شگفتہ اور چھوٹی بحرین استعمال کرتے ہیں،

آن دلبر گلعذار آمد، آن یوسف روزگار آمد،

پیغام زنفخ صور داری، بکشائے لب پیمبری را،
بگستر سایہ خود بر سر ما، کہ ظل حق تعالیٰ داری ازوے

پرگوئی، مولینا نہایت پرگو شاعر ہیں، یہ وصف مثنوی اور دیوان غزلیات دونوں سے ظاہر ہے، لیکن دیوان میں زیادہ نمایاں ہے، کیونکہ یہ ضخیم تر ہے، اس میں ذوق کلام سے زیادہ غلبۂ حال کو دخل ہے، البتہ اثر کے اعتبار سے مثنوی کا درجہ بلند ہے، لیکن دیوان میں بھی ایک ایک لفظ سے ولولہ جوش اور مستی ٹپکتی ہے، دیوان میں کثرتِ کلام یا پرگوئی کی وجہ یہی ہے، کہ اس دورِ مستی میں میلان طبیعت سخن کی طرف زیادہ تھا، کیونکہ اس زمانہ میں محفلِ سماع کی بھی کثرت تھی، مثنوی "صاحبِ مقام" ہونے کے بعد لکھی ہے، اس دور میں وہ ولولہ اور ہنگامہ کہاں، جب کہ وہ صاحبِ حال تھے، اس دور میں حقیقت حال کو خود بے نقاب فرماتے ہیں،

"فرمود کہ اول شعرمی گفتیم داعیۂ عظیم بود، کہ موجب گفتن بود،"

(فیہ ما فیہ صنہ۲۰)

مدح گوئی سے احتراز، باوجود اس پرگوئی کے مولینا کا دامن کسی بادشاہ یا امیر کی مدح گوئی کے داغ سے داغدار نہیں ہوا خصوصًا اس دور میں جب کہ نظامی سعدی اور خسرو جیسے اہلِ دل بھی اس سے نہ بچ سکے،

عیب مکن گر غزل ابتر بماند، نیست وفا خاطر پرندہ را،

(شمس صمی)

شاعرانہ بیان یا طرزِ ادا کے نقائص، مولینا کے کلام میں ایک طرف شاعرانہ نقطۂ نگاہ سے اگر مختلف محاسن ہین، تو بعض نقائص اور کمزوریاں بھی اس حد تک نمایاں ہین کہ ہم انھیں انکی خصوصیات کلام کے دائرہ سے خارج نہیں کر سکتے، اسکا سبب تو ہم آگے عرض کرین گے، پہلے فرضِ تنقید کی ادائی کے لئے اس نوع کی چند نقائص کا بھی ذکر کرتے ہین،

زبان صنف غزل کے مناسب نہیں،
ہر صنفِ سخن میں زبان کا رنگ خاص ہوتا ہے، جو زبان انوری خاقانی ظہیر اور سلمان وغیرہ کے قصائد کی ہے، وہ کبھی خسرو سعدی اور حافظ کی غزل کی نہیں ہو سکتی، لیکن مولینا اس اصول کے پابند نہیں، درحقیقت غزل کا منشا، ومفہوم ہی اصطلاحی حدود سے وسیع ہے، اس لئے مولینا کو نہ الفاظ کی کچھ پروا ہے، اور نہ خاص ترکیبوں کی طرف ان کی کچھ توجہ ہے، اس سے اون کی غزلیات میں وہ لطافت پیدا نہ ہو سکی، جو سعدی حافظ یا حسن دہلوی کے کلام کا طرۂ امتیاز ہے،

تعقید لفظی پیچیدہ ترکیبین
مولانا اپنی دھن اور رو میں بعض بعض جگہ غریب، نامانوس اور ثقیل الفاظ بھی بے تکلف استعمال کر جاتے ہین، جنھیں غزل تو غزل قصیدے میں بھی استعمال کرنا مناسب نہین سمجھا جاتا، مثلاً:-

غلط گفتم کہ مسجد ہاے مارا، بروں در بود خورشید تو آب،
اے آفتاب رُخ بنما از نقاب ابر کان چہرۂ مشعشع تابانم آرزوست
پندے بدہ و بصلح آور، آن چشم خمار عبہری را،

انکے کلام میں لفظی تعقید پیچیدہ اور غیر شگفتہ ترکیبیں بھی ہین،

این مجمع ملامت وآن محشر قیامت گشتست پیش حسنت مستغرق عجائب
ما بے خبر کم اینجا بر بند در خانہ، پرندہ وچرندہ لنگ اند درین حضرت
عجب نباشد اگر مردہ بجوید جان دیا کہ سینۂ تفسیدہ صبا خواہد،

فک اضافت،
نظم ونثر میں عموماً اور فارسی زبان میں خصوصاً اضافت، اختصار وایجاز کا حسن اوراُس کی جان ہے، فک اضافت سے جملہ یا شعر نہایت غیر فصیح ہو جاتا ہے، بقول مولینا شبلی "یہ شریعتِ شعر میں ابغض المباحات ہے" لیکن مولینا جہاں چاہتے ہیں، اس کی پروا کئے بغیر

تک اضافت کرتے ہیں،

عاشقان را شمع و شاہد نیست از بیرون خویش ‫ ‫ آب انگوری بخورد بادہ شان از خون خویش

آب یار نور آمد در صفا و روشنی، ‫ ‫ ہر دو غماز ند صورت را ولیکن زاعتاب

ہیچ می دانی چہ می گوید رباب ‫ ‫ ز اشک چشم و ز جگر ہاے کباب

نقص تشبیہ، مولانا نے چونکہ کثرت سے تشبیہیں ایجاد اور استعمال کی ہیں، اسلئے ان میں ایسی تشبیہیں بھی آگئی ہیں، جو نہایت غیر لطیف اور نامناسب ہیں،

شمس الحق تبریزی ما چوجہ و تو مرغی ‫ ‫ این چوجہ دریں بیضہ مانداست چو دُر خم

اے دارو ے فربہی وصحت ‫ ‫ از بہر تن نزار عاشق،

ز بادا چون افیون فضل او خوردیم، ‫ ‫ برون شدیم ز عقل و برآمدیم از کار

پیرایۂ مجاز، اگرچہ غزل شعر کی ابتدا بھی ہے، اور انتہا بھی، لیکن اس کی زبان سادہ اور سہل ہوتی ہے، اسی لئے وہ عوام اور خواص دونوں طبقوں میں مقبول ہی، جو قبولیت اس صنف سخن کو حاصل ہے، وہ کسی اور صنف کو نصیب نہیں،

ہر چند غزل کی خوبی کے لئے یہ لازم نہیں کہ وہ پیرایہ مجاز ہی میں ہو، لیکن یہ بالکل صحیح ہے، کہ قبولیت عام اس غزل کو زیادہ حاصل ہوتی ہے، جس میں بلند خیالات اور روحانی حقائق بھی پیرایہ مجاز میں ادا کئے جائیں، سعدی خسرو اور حافظ کے تغزل کی قبولیت کا سبب یہی ہی کہ وہ مشاہدۂ حق کی گفتگو بھی تقریبًا بلکہ تمامتر بادہ و ساغر ہی کے پیرایہ مجاز میں کرتے ہیں، مولینا کے کلام میں یہ بات اس حد تک نہیں ہی، انھوں نے اسرار وحقائق کو اکثر بے پردہ ظاہر کیا ہے، اور دیوان میں اپنے ہی اصول

خوشتر آن باشد کہ سرّ دلبران ‫ ‫ گفتہ آید در حدیثِ دیگران

پر عمل نہیں کیا، ‫ ‫ (باقی)

روزمرہ اور محاورہ کی کمی، | ہر چند اشعار کا حسن لفظی روزمرہ اور محاورہ پر منحصر نہیں، لیکن ان سے اکثر موقعوں پر شعر کے لفظی محاسن میں اضافہ ہو جاتا ہے،

مولینا کے کلام میں یہ عنصر بھی غیر نمایاں ہے، سعدی اور حافظ کے ہاں اس کی کثرت ہے، جس سے ان کے کلام کا لفظی حسن بڑھ گیا ہے، نظیری نے بھی اپنے کلام میں کثرت سے روزمرہ اور محاورات باندھے ہیں، تغزلِ ظہوری بھی اس خصوص میں ممتاز ہے،

جدّتِ اسلوب کی کمی، پیرایۂ ادا کی تکرار اوران کے اسباب، | اس کے علاوہ مولینا کے کلام میں بدیع الاسلوبی یا جدّتِ اسلوب کی کمی ہے، اسلئے پیرایۂ ادا کی تکرار پائی جاتی ہے، اس کے برعکس سعدی اور خسرو اور حافظ جدّتِ اسلوب کے مالک ہیں،

اس میں کوئی شک نہیں کہ مولینا کے کلام میں شاعرانہ طرزِ ادا یا شاعرانہ بیان کے یہ نقائص پائے جاتے ہیں، لیکن ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ اسکی وجہ کیا ہے،

سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ کبھی مولینا کو محض شاعری مقصود نہ تھی، بلکہ ان کا مقصود دین کی آواز پہنچانا تھا، اور چونکہ اس زمانہ میں لوگ شعر کے بہت دلدادہ تھے، شاعری کا گھر گھر چرچا تھا، اسلئے انھوں نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے شعر کا پیرایہ اختیار کیا،

دیوانِ غزلیات میں آرٹ کے نقائص کی ایک اور خاص وجہ یہ ہے کہ مولینا نے اکثر غزلیات وجد اور مستی کی حالت میں لکھی ہیں، اور اپنے احوال کو الفاظ کی صورت دیدی ہے، ایسی حالت میں اشعار میں زبان اور بیان پر غور کرنے کا کوئی موقع و محل بلکہ امکان ہی نہ تھا، چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں کہ جوشِ طبیعت اور محویتِ حال و خیال سے فرصت پانا ان کے لئے ممکن نہ تھا،

عیب مکن گر غزل ابتر بماند،

نیست وفا خاطر پرندہ را،

اس لئے کثیر معنوی فضائل اور دیگر صوری محاسن کے مقابلہ میں یہ خفیف نقائص نظر انداز کر دینے چاہئیں،

مولٰنا کی شاعری کے لئے کسی محفلِ مشاعرہ کی ضرورت نہیں، بلکہ انسان کی ضرورت ہی کہ انکا کلام تفریحی عناصر سے خالی ہے،

عطار اور سنائی کا اثر مولٰینا اور ان کی شاعری پر حضرت عطارؒ اور حکیم سنائیؒ کے کلام کا اثر ہے، مولٰینا نے خود مثنوی اور دیوان میں اسکا تذکرہ کیا ہے، جسے ہم اوپر داخلی شہادت کے سلسلے میں درج کر چکے ہیں، علاوہ اس کے اس موضوع کے متعلق مناقب العارفین میں مولٰینا کا ایک ارشاد درج ہے، جس سے عطار اور سنائی کے کلام سے انکے تاثر کا اندازہ ہوتا ہے،

"فرمود ہر کہ سخنان عطار را بجد خواند، اسرار سنائی را فہم کند و باعتقاد تمام مطالعہ نماید کلام مارا ادراک کند و برخوردار شود و برخورد"[1]

اس ارشاد سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا اور عطار و سنائی کے کلام میں ایک معنوی ربط ہے،

مولینا کے کلام پر خود ان کی رائے، مولٰنا کی ضخیم مثنوی (جس میں تقریبًا ساڑھے چھبیس ۲۶ ہزار اشعار ہیں) اور ضخیم تر دیوان (جو تقریبًا ۵۰ ہزار اشعار پر مشتمل ہے) کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے، کہ مولٰنا شعر گوئی کی طرف بجد مائل تھے، لیکن واقعہ اس کے خلاف ہے، اسکے ثبوت میں ہم بعض اہم ترین شہادتیں درج کرتے ہیں، جس سے معلوم ہو جائے گا کہ ان کے منشار اور سخن میں کیا ربط ہے، فیہ ما فیہ کی عبارت ہے،

آخر من تا این حد دل دارم کہ این یاران کہ نزدیکِ من می آیند، از بیم آن کہ ملول

---

[1] مناقب العارفین صفحہ ۲۷۶ مطبوعہ آگرہ،

ملول نہ شوند شعر می گویم، تا بداں مشغول شوند و گرنہ من کجا شعر از کجا، واللہ کہ من از شعر بیزارم و پیش من ازین بتر چیزے نیست، ہمچنان ست کہ یکے دست در شکنجہ کردہ است، دمی شوید برائے آرزوے مہمان، چون اشتہائے مہمان بدانست مرا لازم شد، آخر آدمی بنگرد کہ خلق را در فلان شہر چہ کالا می باید آن خرد و آن فروشد اگر چہ دون ترین متاعہا باشد من تحصیلہا کردم در علوم و رنجہا بردم کہ نزد من فضلا و محققان و زیرکان آیند تا برائے ایشان چیزے غریب و نفیس و دقیق عرض کنم، حق تعالی خود چنین خواست آن ہمہ علمہا را اینجا جمع کردہ و آن سیعہا را اینجا آورد کہ من باین کار مشغول شوم چہ توانم کرد در ولایت ما از شاعری ننگتر کارے نبوذ، اما اگر در آن ولایت می ماندیم موافق طبع ایشان یہ یستیم و آن می ورزیدیم کہ ایشان خواستندے مثل درس گفتن و تصانیف کتب و تذکیر و زہد و عمل ظاہر ورزیدن[1]"

مناقب میں مولینا کا ایک اور بیان درج ہے،

"مردم ایں ملک از عالم عشق مالک الملک و ذوق درون قوی بے خبر بودند... چنان مشاہدہ کردیم کہ بہیچ نوع بطرف حق مائل نبودند و از اسرار الٰہی محروم می ماندند بطریق لطائف سماع و شعر موزون کہ طبائع مردم را موافق افتادہ است، آن معانی را در خور ایشان دادیم چہ مردم روم اہل طرب و زہرہ بیان بودند، مثلاً طفلے رنجور شود و از شربت طبیب نفرت نماید و البتہ فقاع خواہد طبیب حاذق دارو چنان نماید کہ دارو را در کوزہ فقاع کردہ بدو دہد تا بوہم آن کہ فقاعست شربت برغبت نوشیدہ از خلل علل صافی گشتہ حلل صحت در پوشیدہ مزاج سقیم مستقیم کند[2]"

---

[1] مقدمہ فیہ مافیہ صک ۳۴ [2] ۵۲ مناقب العارفین،

اپنے دیوان کی معنوی قدر وقیمت کے متعلق ان کا یہ خیال ہے،

آب حیات آمد سخن کا بد ز علم من لدن | جان را از و خالی مکن تا بر دہد اقبالہا

خموش شو کہ بسے گفتی و کس نشنود | کہ ایں دہل ز چہ بام است و ایں بیاز کجا

ع گہر سفتم درین دیوان کہ تا تو رستی از دیوان

اپنے کلام کے صوری نقائص کا ان کو پورا علم واحساس تھا، اس کے متعلق بے لاگ راے اور صحیح وجہ ان کے پاس تھی، ان میں سے ایک شعر اوپر ہم نے عیوب شعر کی بحث میں درج کیا ہے، یہاں اسکے علاوہ دوسرے اشعار درج کرتے ہیں،

تو ز لوح دل فرو خوان بتمامی این غزل را | منگر تو از زبانم کہ لب و زبان نماند

حضرت شمس سے مخاطب ہو کر فرماتے ہین،

شمس تبریز بجز عشق ز من ہیچ مجو | زان کسے داد سخن جو کہ سخندان باشد

شیخ سعدیؒ کی قدر شناسی، شیخ سعدی غزل کے بادشاہ ہیں، ان کے کلام میں شاعرانہ حسن خیال اور حسن بیان دونون کی خوبیان کماحقہ موجود ہیں، لیکن مولینا روم کی ذات عالی صفات اور انکے کلام کی معنوی قدر و قیمت کا انھیں بہت احساس تھا، چنانچہ ملک شمس الدین حاکم شیراز کی ایک درخواست پر انھون نے مولنا کی ایک غزل بھیجی، اور اس کے متعلق جو خیالات ظاہر کئے ہین، اس سے ان کے دل میں مولینا کی عظمت اور ان کی شاعری کی قدر شناسی کا پورا اندازہ ہوتا ہے، چنانچہ مناقب میں ہے،

"اصحاب عظام روایت کردند کہ ملک شمس الدین ہندی کہ ملک ملک شیراز بود[1]، رقعہ بخدمت اعذب الکلام الطف الانام شیخ سعدی علیہ الرحمہ والغفران اصدار کردہ استدعا نمودہ کہ غزلی غریب کہ محتوی بر معانی عجیب باشد از ان ہر یک کہ باشد بفرستی تا غذای جان خود سازم"

[1] والی یا حاکم تھا،

شیخ سعدی غزلِ نواز ان حضرت مولینا کہ دران ایام بشیراز بردہ بودند وخلق بکلی ربودہ آن شدہ نوشت وارسال کرد وآن غزل اینست،

ہرنفس آواز عشق میرسد از چپ و راست ما بفلک می رویم عزم تماشا کراست

درآخر رقعہ اعلام کرد کہ در اقلیم روم بادشاہے مبارک ظہور کردہ است واین از نفحات سراوست کہ ازین بہتر سخنے نہ گفتہ اند ونہ خواہند گفتن ومرا ہوس آنست کہ بزیارت سلطان بدیار روم لویم و روئیم را برخاک پائے اومالم"،

حضرت جامیؒ کی رائے، حضرت مولینا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے مشہور اشعار میں مولانا کے کلام کی معنوی قدر وقیمت کا اعتراف فرمایا ہے، اگرچہ اس میں خاص طور پر ذکر مثنوی کا ہے، لیکن یہ دیوان پر بھی صادق آتا ہے،

من چہ گویم وصفِ آن عالیجناب نیست پیغمبر ولے دارد کتاب،

دولت شاہ اپنے مشہور تذکرہ میں مولینا کے کمال اور ان کے کلام کے متعلق لکھتا ہے،

در تحصیل علوم یقینی عالم ربانی و در مراتبِ توحید وتحقیق سالک صمدانی است ورموز و اشاراتِ عالم غیب را بشیوۂ سخن گستری بیان کردہ وطریق عین الیقین را بواسطہ علم الیقین بعیان رسانیدہ"،

موج چون بر اوج زد آن بحر زخار از شرف

لولوئی منظوم بر ساحل فگند از ہر طرف،

علامہ شبلی نعمانی کی رائے، علامہ شبلی جو سخن فہمی میں خداداد ملکہ رکھتے تھے، مولانا کے کلام کے متعلق اُنکی رائے یہ ہے،

"مولانا کا فن شاعری نہ تھا، اس بنا پر ان کے کلام میں وہ روانی برجستگی نشست الفاظ،

حسن ترکیب نہیں پائی جاتی، جو اساتذہ شعراء کا خاص انداز ہے، اکثر جگہ غریب اور نامانوس الفاظ آجاتے ہیں، تنگ اضافت، جو مذہب شعر میں کم از کم گناہ صغیرہ ہے، مولینا کے ہاں اس کثرت سے ہے، کہ طبیعت کو وحشت ہوتی ہے، تعقید لفظی کی مثالیں بھی اکثر ملتی ہیں، تاہم سینکڑوں بلکہ ہزاروں شعر ایسے بھی انکے قلم سے ٹپک پڑے ہیں، جن کی صفائی اور برجستگی اور دلآویزی کا جواب نہیں"

پروفیسر براؤن اور ڈاکٹر نکلسن کی رائے

پرفیسر براون آنجہانی جنھوں نے مدت العمر فارسی ادبیات کی گراں قدر خدمات انجام دی ہین اور صاحب ذوق بھی تھے، مولینا کے دیوان کے سلسلہ میں ڈاکٹر نکلسن کی رائے سے اتفاق کیا ہے، جسے ہم آگے درج کرین گے،

ڈاکٹر نکلسن کو فارسی کے صوفیانہ ادب سے خاص دلچسپی ہے، خصوصاً مولینا روم کی تصانیف سے انکو بیحد لگاؤ ہے، مثنوی کے صحیح نسخہ کی ترتیب اور ترجمہ کے اہم فرائض بڑی خوش اسلوبی سے برابر انجام دے رہے ہیں، دیوان اور مثنوی کے فرق اور مشابہت پر ان کا یہ خیال ہے؛

"ہم نے دیکھا ہے کہ فلسفۂ تصوف مولینا کی آمد طبع کا سرچشمہ ہے، اس سرچشمہ سے مثنوی اور دیوان دو نہریں الگ الگ جاری ہوئی ہیں، ایک کی شان بے پایاں دریا کی طرح ہے، ساکت وعمیق نہایت زرخیز، اور گوناگوں مرغزاروں سے گذرتی ہوئی اس سمندر مین جاگرتی ہے جس کی کوئی حد نہیں، دوسری نہر گویا ایک جوش مارتی ہوئی طوفان خیز موج ہے، جو اچھلتی کودتی ہوئی آبادی سے دور کہساروں میں جاکر جنکی لطافت عالم بالا سے چشمک زنی کرتی ہوئی غائب ہوجاتی ہے"؛

(دیوان شمس تبریز مقدمہ از ڈاکٹر نکلسن)

مثنوی میں اخلاقی عنصر زیادہ ہے، دیوان میں صوفیانہ خیالات کے اظہار میں ولی کامل

کا نقطۂ نظر یا نصب العین پیش نظر ہے،

(مکتوب ڈاکٹر نکلسن بنام جناب ڈاکٹر نظام الدین صاحب صدر شعبۂ فارسی جامعۂ عثمانیہ)

علامہ اقبال کی رائے، اس عہد کے مشہور اور معروف فلسفیوں اور شعرا میں ڈاکٹر اقبال مولٰنائے روم کے قدر شناس ہیں، یہ واقعہ ہے، کہ ان کی طبیعت اور ذوق کو مولٰنا سے بیحد مناسبت ہے، انہی کا قول ہے،

مرا بنگر کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی　　برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز است

ان کے پیام اور کلام میں رومی کا اثر نمایاں ہے اپنے تازہ ترین شاہکار جاوید نامہ میں ڈاکٹر اقبال نے عالم معنی کی سیر و سیاحت میں مولٰنا ہی کو راہنما بنایا ہے، اور اپنی تصانیف میں انہوں نے مولٰنا کے مسلک اور شاعری کے متعلق مختلف پیرایوں میں اظہار رائے کیا ہے، ہم ان اشعار کو یہاں نقل کرتے ہیں، تاکہ مولٰنا کی شاعری کے متعلق ان کے نقطۂ نظر کا اندازہ ہو جائے،

مولٰنا کے کلام کی معنوی قدر و قیمت کے متعلق انکی رائے یہ ہے،

مرشدِ رومی حکیم پاکِ زاد　　سرِ مرگ و زندگی بر ما کشاد

معنی از حرفِ او ہمی روید　　صفتِ لالہ ہائے نعمانی،

نکتہ دانِ المنی را در ارم　　صحبتے افتاد با پیرِ عجم

شاعرے کو ہمچو آن عالی جناب　　نیست پیغمبر و لے دارد کتاب

بوعلی اندر غبار ناقہ ماند،　　دستِ رومی پردۂ محمل گرفت

رازِ معنی مرشدِ رومی کشود　　فکرِ من بر آستانش در سجود

اگرچہ زادۂ ہندم فروغِ چشمِ من است　　ز خاکِ پاکِ بخارا و کابل و تبریز

باز بر خوانم ز فیضِ پیرِ روم — دفترِ سربستۂ اسرارِ علوم،

جانِ او از شعلہ ہا سرمایہ دار — من فروغِ یک نفس مثلِ شرار

پیرِ رومی خاک را اکسیر کرد — از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد

موجم و در بحرِ او منزل کنم — تا دُرِ تابندۂ حاصل کنم

من کہ مستیہا ز صہبایش کنم
زندگانی از نفسہایش کنم

خود خود بنمود پیرِ حق سرشت — کو بحرفِ پہلوی قرآن نوشت

مولٰنا کے کلام کے حیات آفرین اثر کے متعلق ان کا بیان یہ ہے،

مطرب غزلے بیتے از مرشدِ روم آور — تا غوطہ زند جانم در آتشِ تبریزے

بیا کہ من زخمِ پیرِ روم آوردم — مئے سخن کہ جوان تر ز بادۂ عنبی است

شرارے جستہ اگیر از درونم، — کہ من مانند رومی گرم خونم

شعلہ در گیر و زد بر خس و خاشاکِ من — مرشدِ رومی کہ گفت منزلِ ما کبریاست

جاوید نامہ ان کی جدید ترین تصنیف ہے، عوالمِ علویہ کی سیر میں مولٰنا روم کو انھوں نے اپنا راہنما قرار دیا ہے، اس کتاب میں مختلف جگہ پر حضرت رومی کی شخصیت اور ان کے پیام کے مختلف پہلوؤں پر نظرِ غائر ڈالی ہے،

روحِ رومی پردہ ہا را بر درید، — از پسِ کُہ پارۂ آمد پدید،

بر لبِ او سرِ پنہانِ وجود، — بندہائے حرف صوت از خود کشود،

حرفِ او آئینۂ آویختہ — علم با سوزِ درون آمیختہ

اجمالی ریویو، | الحاصل مولٰنا کی شاعری متعدد خصوصیات خصوصًا معنوی قدر و قیمت کے نقطۂ نظر سے خاص حیثیت

رکھتی ہے، مولینا نے اپنی قوتِ فکر وشعر، زبان کاری کو سودمندی اور مذموم کو محمود بنانے میں نہیں صرف کی،

انکی شاعری کا مقصد بت پرستی یابت گری نہیں، ان کا یہ منشا نہیں کہ لوگوں پر افسردگی اور خستگی طاری ہو، اور حسن صداقت سے انکا ربط ٹوٹ جائے، لوگ غلط اندیشہ وفکر میں مبتلا ہوکر ذوق عمل سے محروم ہو جائیں، ان کے کلام سے غفلت میں اضافہ نہیں ہوتا، بلکہ روحانی جمود دور ہوتا ہے، ان کی فریاد و نالہ سے "عشق مجبور" رسوا نہیں ہوتا، بلکہ "عشقِ غیور" کو سرخروئی حاصل ہوتی ہے، ان کے کلام کے مطالعہ سے یقین محکم اور عمل پیہم کا ذوق پیدا ہوتا ہے، ان کی شاعری افراد اور اقوام کی تعمیر خودی میں ممد و معاون ہے، ڈاکٹر اقبال نے اسرارِ خودی میں فکرہ شعر کا جو معیار پیش کیا ہے، اس پر مولینا کی شاعری پوری اترتی ہے،

ہر شاعر کا کلام رطب ویابس کا مجموعہ ہوتا ہے، بقول ہیرسن (Harrison) کسی شاعر کی عظمت کا اندازہ کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کے کلام کے بہترین حصہ کی قدر و قیمت کا اندازہ کیا جائے، اس نقطۂ نظر سے مولینا دنیا کے مشہور ترین شعرا کی صفِ اول میں ہیں، انکے فکر و شعر کی عظمت زمان و مکان کی قیود سے بلند تر ہے، انکی شاعری پر یہ قول صادق آتا ہے،

اہلِ دل را سینۂ سینا دہد

باہنرمندان یدِ بیضا دہد،

مولانا کا مسلک تصوّف یا فلسفۂ حیات

(دیوان کی روشنی میں)

لا الہ اے جان رہ الا اللہ است

ما ھم از لا تا بہ الا میرویم

مسلک[1] تصوف اسکی بنیاد اور حقیقت کے متعلق مختلف طبقات میں مختلف قسم کی غلط فہمیاں اور غلط بیانیاں امتداد زمانہ سے پیدا ہوئیں مستند اصحاب طریقت اور ارباب معرفت اس امر پر متفق ہیں، کہ تصوف اس سے زیادہ کچھ اور نہیں، کہ اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کیا جائے یعنی آپ کو ظاہر و باطن میں آیۂ کریمہ اخلصوا دینھم للہ کا مصداق بنایا جائے، خدا کی محبت میں محبوب خدا کی اتباع کیجائے تاکہ بارگاہ ربانی میں محبوب اور مقبول بندوں میں شمار ہو قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ قربانی اور نماز، زندگی اور موت خدا ہی کے لئے ہو، از آدم تا بہ خاتم الانبیا سارے انبیاء کی زندگی کا نصب العین یہی رہا ہے (قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین،) مخلص تبعین اسی راہ پر چلتے رہے، اور چلتے ہیں، ہاں ایسا ہوا ہے کہ زمانہ کے اقتضا، اور ماحول کی ضرورت کے باعث تعلیمات اور اصول مختلف پیرایئے میں پیش کئے گئے، مثلاً جب مسلمانوں میں فلسفہ کا زور ہوا، اور اس مذاق نے اہل علم وفن کو گرویدہ کر لیا، تو حضرت شیخ اکبرؒ نے عقائد و اعمال کو فلسفیانہ تفکر کے انداز میں پیش کیا

[1] نفس تصوف کی حقیقت اور اس کا تاریخی انقلاب میرا اصل موضوع بحث نہیں، نہ یہ میری علمی تحقیق کے حدود میں ہے، میرا اصل موضوع بحث مولانا کے مسلک کے اصول ہیں، یہاں میں نے تمہید اً سرسری طور پر چند خیالات کا اظہار کیا ہے،

اور مختلف اصحاب نے اسکی پیروی کی فصوص الحکم سے حجۃ اللہ البالغۃ تک اسی کی مختلف صورتیں ہین، اور جب شاعری کا ذوق عام ہوا، تو بعض اہلِ عرفان نے پیغامِ حقیقت پہنچانے کے لئے شاعری کو اپنا ذریعہ بنایا، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے مختلف پیچیدگیان ضرور پیدا ہوئین، لیکن حقیقت کبھی تبدل نہیں ہوئی، حقائق اور معارف اصول اور عقائد میں تبدیلی نہیں ہوئی، سنائی سے جامی تک یہی رنگ ہے شیخ سعدی نے باوجود اسکے کہ عشق حقیقی کا بیان پیرایۂ مجاز میں کیا ہے، فرماتے ہیں، ؎

میندار سعدی کہ راہِ صفا، توان رفت جز در پئے مصطفٰے

جب مسلمانوں میں زوال کے آثار غالب ہوئے، تو بقول مولینا عبد الماجد ان کے دل و دماغ پر ایرانی تخیلات، یونانی توہمات اور ہندی مراسم کا اثر ہوا، انھوں نے ان چیزوں کو اپنے علم وعمل کا جزو لازم بنا لیا، غلط خیالات اور غلط کاری عام ہوئی، کثرت سے لوگ غلط فہمیوں کا شکار ہوئے، ایمان گرفتارِ رسوم ہوگیا، شیوہ ہائے کافری کو وسعتِ مشرب سے تعبیر کیا گیا، قوالی اور پشمینہ پوشی اہلِ کمال کے لوازم قرار دیے گئے،

قومِ ما از سحرِ ایں مسموم گشت، خفت و از ذوقِ عمل محروم گشت،

ابتدا میں امام غزالی اور آخر میں حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ صاحب نے تجدید و اصلاح کا صور بڑے زور سے پھونکا، قلب سلیم رکھنے والے تو چونک گئے، لیکن غلط فہمی اور غفلت کا بالکلیہ ازالہ نہ ہوا، اس دور میں مستشرقین نے غلط فہمیون میں اور اضافہ کیا، ایک تو وہ خود ان حقائق سے کما حقہ واقف نہ تھے دوسرے ہماری غلط نگاری اور غلط کاری نے انھیں بھی دھوکہ میں ڈالدیا، بعض نے بہت کچھ جاننے پہچاننے پڑھنے لکھنے کے بعد بھی غلط بیانی کی، انھوں نے کہا کہ دین اسلام تمامتر تقشف اور خوف کا مذہب ہے، تصوف سے جو مسلک محبت مراد ہے، اسکے عناصر دین اسلام میں نہیں ہیں، یہ عناصر اسلام میں علیسائیت سے داخل ہوئے ہیں، اسلام کا خدا توریت کا جبار و قہار خداوند تو ہوسکتا ہے لیکن

انجیل کا مہربان باپ وہ کبھی نہیں، یہی وہ مقام ہے، جہاں مستشرقین کے کمالِ علم اور تعصب کی حقیقت کھلتی ہے، تعصب نے انکی چشمِ بصیرت کو اندھا کر دیا ہے، غالباً وہ قرآن اور حدیث کو غلط بیانی کی نیت سے پڑھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انھیں کوئی خاص حجاب اصل حقیقت پر نظر ڈالنے سے مانع ہوتا ہے، اور کتاب وسنت کے غالب حصہ کی تعلیمات پر انکی نظر ہی نہیں پڑتی، قرآن میں انھیں اسماء الٰہیہ میں سے قہار، منتقم وغیرہ اسمارِ جلالیہ تو نظر آتے ہیں، لیکن رؤف، رحیم، ودود اور غفور وغیرہ جیسے اسمارِ جمالیہ اور ان اعتبارات کی آیات نظر ہی نہیں آتیں، انکو قرآن میں یہ کہیں نہیں دکھائی دیتا کہ خدا سے شدتِ محبت ہی کا نام ایمان ہے۔ الذین آمنوا اشد حباً للہ، اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ دینِ اسلام اتباعِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا نام ہے، یہاں خدا کی محبت ہی شرطِ اتباع ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ بندہ محبوبِ خدا ہوتا ہے، قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ، اس کے علاوہ قرآن مجید میں محبت کے یہ اعتبارات بے شمار مواقع پر بیان کئے گئے ہیں، کہیں ان اللہ یحب المحسنین ہے کہیں ان اللہ یحب الصابرین ہے، اسکے مقابل ان اللہ لا یحب الظالمین، وغیرہ بھی ہے، اسلام میں اعمالِ خیر کی بنیاد بھی خدا کی محبت ہی ہے، یطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیماً و اسیرا، اکثر جدید تعلیمیافتہ حضرات پر جو نہ اپنے دین کے اسرار سے واقف ہیں، نہ غیروں کے دجل و مکر سے مستشرقین کا یہ جادو چل گیا ہے، اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ تصوف کو فی الحقیقت اسلام سے کوئی تعلق نہیں، نہ معلوم تصوف سے ان کی کیا مراد ہوتی ہے، درانحالیکہ اصل تصوف ہی اسلام کی خالص اور پاکیزہ ترین تعبیر ہے،

غلط فہمیوں کے ان ظلمات سے نکلنے اور صداقت سے مستفید ہونیکا واحد طریقہ یہی ہے کہ کتاب و سنت کا بنظر غایر مطالعہ کیا جائے، اسکے بعد سارے اکابر صوفیہ مثلاً شیخ ابو نصر سراج، شیخ علی بن عثمان ہجویری، حضرت ابو القاسم قشیری، خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی وغیرہ خصوصاً بانیانِ سلاسلِ صوفیا مثلاً محبوب ربانی حضرت شیخ جیلانی بانی سلسلۂ عالیہ قادریہ، حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی بانی سلسلۂ عالیہ چشتیہ، حضرت شیخ شہاب الدین

بانی سلسلۂ عالیہ سہروردیہ اور خواجہ شیخ بہاء الدین نقشبند بانی سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے تصانیف ملفوظات اور تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے جس سے صاف علوم ہو جائے گا، کہ تصوف کی حقیقت کیا ہے اصل تصوف کسے کہتے ہیں، مرد صوفی کون ہے، راہ صفا کے کیا شرائط ہیں، سب سے بڑھکر یہ کہ تصوف اور کتاب و سنت میں کیا ربط ہے،

صوفیائے کرام اور اکابر اہل عرفان میں عارف رومی کو خاص اہمیت ہے انکا قول اس بارے میں مستند اور انکا بیان حجت ہے، اگر کوئی اس کا کامل اندازہ کرنا چاہے، کہ مولانا کے نزدیک تصوف کسے کہتے ہیں، اور صوفی کون ہے، اور مولینا کا مسلک کیا ہے، تو مثنوی معنوی اور فیہ مافیہ یعنی حضرت کے ملفوظات کا مطالعہ کرے، حقیقت حال سے کاملاً با خبر ہو جائے گا،

لیکن ان کی تصانیف میں ایک دیوان بھی ہے، بقول مولینا عبد الماجد دریابادی ہرچند دیوان کسی ایک وقت کی مسلسل تصنیف نہیں، سالہا سال کی متفرق غزلوں کا مجموعہ ہے، اس کو کسی ایک معین مسلک کا استنباط ممکن نہیں، کوئی غزل کسی حال کی شارح ہے اور کوئی کسی کیف کی، کیونکہ دیوان دورتلوین کی تصنیف ہے، دور تمکین کی نہیں، غزلیات مولینا نے اسوقت لکھے ہیں، جبکہ وہ صاحب حال تھے، صاحب مقام نہیں، دیوان میں زیادہ تر صوفیانہ جذبات اور متفرق احوال کی ترجمانی ہے، تعلیم وارشاد اصول اور معارف مثنوی میں توضیح اور تصریح کیساتھ ہیں، یہ تصنیف دور تمکین کی ہے، یہ مولینا نے اسوقت لکھی ہے جب وہ صاحب مقام ہو گئے اور سالک نہیں بلکہ راہبر ٹھہرے اور تبلیغ و ہدایت پر مامور ہوئے،

لیکن پھر بھی دیوان اسی گلشن کا ایک پھول ہے، اور اسی بہار کا رنگ ہے اس لئے اختلاف حال کے باوجود ان میں وحدت کا ایک رشتہ ضرور ہے چنانچہ انکے مسلک پر اجمالاً دیوان کو بھی روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ مثنوی اور ملفوظات سے اسکا اصولی اور معنوی اتحاد ہے اسلئے یہ بیان مختصر ہوگا، صفحات آیندہ میں ہمارا موضوع تحریر یہی ہے، اختصار کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ بعض مسائل جنکا مولینا کے مسلک اور فلسفۂ حیات سے گہرا تعلق ہے، باب سوم کے مہمات مضامین کے تحت زیر بحث آچکے ہیں، ذیل میں انکو ہم اشارۃً اور کنایۃً بیان کریں گے،

توحید، دین کی اہم ترین نعمت توحید ہے، اسلام کا کمال بھی توحید ہی میں پوشیدہ ہے، لازماً ارباب صفا اور مخلصین کا زیادہ تر زور اسی مسئلہ پر ہے، خالص عبدیت پیدا ہی نہیں ہو سکتی، جب تک کہ شرک کے ظاہری و باطنی سارے اعتبارات دور نہ ہو جائیں، اور بندہ بادۂ وحدت سے سرشار نہ ہو، اس لئے قرآن مجید میں سورۂ توحید کا نام سورۂ اخلاص رکھا گیا ہے، کیونکہ وہ بندہ کے اندر خالص توحید پیدا کرتا ہے، اور شرک کے امراض کا شافی علاج ہے، توحید ہی مسلکِ ابراہیم کا طرۂ امتیاز ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ میں بنی نوعِ انسان کو حکم ہے، کہ مسلک و ملتِ ابراہیم کی اتباع کریں،

مولٰنائے روم کے دیوان میں عناصرِ تصوف میں سے عنصرِ توحید پر سب سے زیادہ زور ہے، اور یہی ان کے مسلک کی روح ہے، توحید کے معنی صرف خدا کو ایک ماننے ہی کے نہیں ہیں، بلکہ ایک کے ہو رہنے، ایک کو محبوب مقصود اور مطلوب بنانے اور ایک ہی کی رضا پر چلنے کے ہیں، مولٰنا نے اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے، اور اس باب میں ان کا جوش کامل طور پر ظاہر ہوا ہے، ع،

وے یکے گوے و یکے جوے و یکے دان و یکے ترس بس

ماسوا کے دام سے رہائی کے طالب ہیں،

خلاصم دہ خلاصم دہ خلاصم
کہ سخت افتادہ ام در دامِ دیگر،

منزلِ مقصود حق ہے،

سوئے مغرب نہ رویم و طرفِ مشرق نے
تا ابد گام زنان جانبِ خورشیدِ ازل

خوانده ایم انا الیه راجعون، تا بدانی که کجا ها می رویم،

توحید کا آخری مرتبہ توحید ذاتی ہے، مولانا ذکر بھی خاص طور پر اسم ذات کا کرتے تھے، معین الدین پروانہ نے سوال کیا کہ مختلف مشائخ مختلف اوراد و اذکار کے پابند ہیں حضرت کا طریق ذکر کیا ہے، فرمایا،

ذکر ما اللہ اللہ است از آنکہ ما، از الہ می آئیم و باز بالہ میرویم
(اسم ذات) (دیوان)

ع مازادہ ذاتیم سوے ذات رویم،

ع بر رفتنِ ما وہید یاران صلوات،

"حق تعالیٰ جمیع انبیاء و اولیاء را از اسم مخصوص تجلی فرمودہ است تجلی ما محمدیان از اسم اللہ کہ جامع است تجلی فرمودہ است، من قل ہو اللہ احد را در دہان می دارم"[1]

آخری جملہ میں روم کے اس صوفی اعظم نے تصوف اور کتاب و سنت کا جو ربط ظاہر کیا ہے، خاص طور پر غور و فکر کے قابل ہے، توحید کی جامعیت نسبت محمدی کے طفیل حاصل ہوئی جس کی تعلیم کا حامل سورۂ اخلاص ہے،

صاحبِ مناقب[2] نے مولینا کی ایک دعا نقل کی ہے، جو توحید کے تمام اعتبارات کی جامع ہے، توحید ذات اس میں غالب اور نمایاں ہے،

"اعذت لکل ہول لا الہ الا اللہ ولکل غم وھم ماشاء اللہ ولکل نعمۃ الحمد للہ ولکل رخاء الشکر للہ ولکل اعجوبۃ سبحان اللہ ولکل ذنب استغفر اللہ ولکل ضیق حسبی اللہ ولکل قضاء و قدر توکلت علی اللہ

---

[1] مناقب العارفین ص ۱۴۹ مطبوعہ ستارہ پریس آگرہ کتب خانہ حیدر آباد دکن، [2] مناقب العارفین ص ۱۱۰،

ولکل مُصیبۃ انا للہ وانا الیہ راجعون ولکل طاعۃ ومعصیۃ لاحول

ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم،

دیوان میں یہی نغمۂ توحید بطرز دیگر ہے، نفی واثبات طریقِ سلوک ہے، کلمۂ توحید میں لا سے نفی

باطل اور اِلّا سے اثباتِ حق مقصود ہے، مولانا کی راہ یہی ہے،

لا الہ اے جان راہِ الا اللہ است　　ماہم از لا تا بہ الّا می رویم،

توحید وجودی مسئلۂ وحدت الوجود

وجود وقیام ذاتی ربّ العزت ہی کو حاصل ہے، اسی قیوم کی قیومیت سے محسوسات وعوالمِ امکانیہ قائم اور موجود ہیں، ہو الحی القیوم اگر ادھر سے فیض وجود نہ ہو تو سب عدم ہی عدم ہے، ع

تو خود دانی کہ من بے تو عدم باشم عدم باشم،

وجود کے چار اعتبار ہیں، اولیت آخریت ظاہریت اور باطنیت، یہ چاروں اعتبارات ذاتِ حق ہی کے ساتھ مختص ہیں، مخلوق معلوم حق ہے، جو اپنی ماہیت میں غیرِ ذاتِ حق ہے یہی معنی ہیں تشبیہ مع التنزیہ کے، سبحان اللہ وما انا من المشرکین،

ھو الاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شیئ علیم،

ھو الاول ھو الآخر ھو الظاھر ھو الباطن،

بجز یا ہو و یا من ہو، کسے دیگر نمی دانم،

دوئی از خود بدر کردم یکے دیدم دو عالم را　　یکے جویم یکے دانم یکے بینم یکے خوانم،

توحید انیت "لا اللہ الا انا" کا انکشاف توحید کی نازک ترین اور اہم ترین منزل ہے، سرفرازی اور کامیابی کا یہی مقام ہے یافت حق میں حجاب اکبر یہی ہے، خود شناسی کا محل اور اہمیت یہیں ظاہر ہوتی ہے فیہ مافیہ میں[1]

[1] فیہ مافیہ ملفوظات مولینا روم مطبع معارف اعظم گڈھ ص۲۱،

مولینا نے اسکی اہمیت پر بہت زور دیا ہی،

"آنچہ ہست وبا او نزدیک تر از ہمہ آنست کہ آن خودی اوست او خودرائی داند ہمہ چیز ہارا بحل وحرمت حکم می کند کہ این جائز است وآن جائز نیست واین حلال است وآن حرام است خودرانمی داند کہ حلال است یا حرام است، او جائز است یا ناجائز است، پاک است یا ناپاک است، این تجویف وزردی ونقش وتدویر بروی عارضی است کہ چون در آتش اندازی این ہمہ نماند ذاتی شود صافی ازین ہمہ"

آگے چل کر اس سے زیادہ وضاحت فرماتے ہیں، اور توحید انیت کے حصول کی راہ بتاتے ہیں،

"پیش او دو "انا" نمی گنجد تو "انا" می گوئی واو "انا" یا تو بمیر پیش او، یا او بمیر د پیش تو تا دوئی نماند اما آنکہ او بمیر د امکان ندارد، نہ در خارج ونہ در ذہن، کہ ہو الحی الذی لا یموت او را آن لطف ہست کہ اگر ممکن بودے براے تو بمردے تا دوئی برخاستی اکنون چون مردن او ممکن نیست تو بمیر تا او بر تو تجلی کند و دوئی برخیزد" [1]

دیوان میں فرماتے ہیں،

غبارہاست درون تو از حجاب منی	ز تو برون نہ شود آن غبار یکبار
گر تو فرعون منی از مصر این بیرون کنی	در درون خانہ بینی موسیٰ ہارون خویش

جب یہ منزلیں طے ہو جاتی ہیں تو عینیت وجودی وغیریت ذاتی کے اسرار بے پردہ ہو جاتے ہیں، اور انسان کی جامعیت معلوم ہوتی ہی، اور وہ محسوس کرتا ہے،

ما زندہ بنور کبریائیم،	بیگانہ او سخت آشنائیم،

توحید ارادت | توحید صفاتی میں فناے ارادت درجۂ کمال ہے، یہ مرتبہ اس طرح حاصل ہے، کہ بندہ

---

[1] فیہ ما فیہ صٹ۔

اپنی رضا کو رضائے الٰہی میں فنا کر دے،

مرا گر تو چنان داری چنینم — کہ باشم من چہ باشد مہر وکینم

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خدا کو بندے کی رضا محبوب ہو جاتی ہے، ولسوف یعطیك ربك فترضی کا راز یہی ہے، راضیۃ مرضیۃ میں اسی مقام کا اشارہ ہے، رضی اللہ عنہ ورضوا عنہ سے مراد یہی توحید ارادی ہے،

چو در کشاکش احکام راضیت بینند — زر بجا بر ہا شند و مرتضات کنند،

جبتک سالک کو ایمان وعمل میں مرضی حق کی پیروی مقصود نہ ہو، اس کی نیکخوئی اور نکوکاری مقبول ومعتبر نہیں، اسکی سعی اور اسکا عمل حبط ہو جاتا ہے،

بخوئے نیک اگر باجہاں بسازد کس — چوں خوئے حق نشناسد نہ نیکخوست بداست

حافظ نے کیا خوب فرمایا ہے،

از دل وجاں شرف صحبت جاناں غرض است — ہمہ اینست وگرنہ دل وجاں این ہمہ نیست

فیہ مافیہ میں اس اصول کے متعلق لکھا ہے،

ایشان می پندارند کہ عمل این ظاہر است اگر منافق آن صورت عمل بجائے آرد ہیچ اورا سود ندارد چون در و معنی صدق وایمان نیست"، (فیہ مافیہ ص ۸۲)

یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم،

رہ گم نکنیم وپئے ہر غول نہ پوئیم، — جز در عقب احمد مختار نہ گردیم،

(دیوان رومی)

اتباع رسالت، | توحید ہی مسلک تصوف کا مطلوب اور مقصود ہے، لیکن توحید کی کنجی رسالت اکرا بادۂ حقیقت کے مشتاقون کے لئے رسول ہی میخانۂ غیبی کا دروازہ کھولتے ہین، معرفت الٰہ مین مشعل را

رسول ہی کا علم اور عمل ہی علم حق رسول کو خدا سے ملتا ہے، اور رسول سے ساری مخلوق یہ فیض عظیم پاتی ہے، مولینائے روم نے پیغام رسالت اور اتباع رسالت پر بیحد زور دیا ہے، مثنوی اور ملفوظات تو ان مسائل کی تصریح اور تشریح سے بھرے پڑے ہیں، دیوان میں بھی اس کا پورا حق ادا کیا ہے بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں، کہ صوفی کو رسول سے تعلق نہیں، صوفی کا مسلک الگ ہوتا ہے، اسے تو کفروایمان کی تمیز ہی نہیں، پیغمبر حق و باطل اور کفرودین میں تمیز کرتے ہیں، وہ عارف روم کے ان اقوال کا بغور مطالعہ کریں تاکہ حقیقت روشن ہو جائے،

علم حق وحی انبیائے کرام اپنی طرف سے تعلیمات نہیں پیش کرتے، بلکہ خدا کی طرف سے جو کچھ ان پر وحی ہوتی ہے، اس علم حق کی تبلیغ کرتے ہین،

ومایِنطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ،

چون پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم مست شدے وبخود گفتہ سخن گفتے قال اللہ آخر از روے صورت زبان او میگفت اما او درمیان نہ بود گوینده درحقیقت حق بود، . . . . پس معلوم شد کہ او نمی گوید حق می گوید کہ ومایِنطق عن الھویٰ[۱]،

زیں سبب قل گفتۂ دریا بود، گرچہ نطق احمدی گویا بود،

اسلئے جو ایمان اور عمل میں رسول کا متبع نہ ہو، وہ کبھی مقصود کو نہیں پہونچ سکتا، جو خدا کا محبوب بننا چاہتا ہے اور اپنے آپ کو مقبول بارگاہ بنانا چاہتا ہے، اس پر اتباع رسالت فرض ہے، قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ صوفی وہ ہے جو کمال اخلاص وعرفان سے اتباع رسالت کی تکمیل کرے، سالک کو جو کچھ ملتا ہے، اسی طرح ملتا ہے، اور جو کچھ ملے گا، اسی راہ سے ملیگا، کیونکہ حضور خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم جملہ کمالات کے جامع ہیں، مولانا فرماتے ہیں،

---

[۱] فیہ مافیہ ص۱۲۴ و ۵۴، [۲] مناقب العارفین، ص۱۴۰

لطفِ خدائے جملہ کمالاتِ خلق را،   یک چیز کرد و داد بدو نام مصطفےٰ

مناقب میں مولانا نے فرمایا کہ،

"من جمیع وارثِ محمدی ام" [۱]

مولینائے معنوی کے علم وعمل کی بنیاد سلطانِ اہلِ معنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پر ہے،

"اہلِ معنی را متابعتِ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم از جملہ واجبات است"

مولینا کا فقر "فقر محمدی" ہے "فقر اشراقی نہیں" جسکو یہ دولت نصیب نہیں وہ احرار و ابرار کی جماعت ہی میں شامل نہیں ہوتا مولینا فرماتے ہیں،

"ہر کرا لذتِ فقر محمدی صلی اللہ علیہ وسلم روی نمود حقا کہ از لذتِ دو جہانی و اغراض فانی اعراض کردہ و فارغ شدہ و در مسلک احرار و ابرار منخرط گشتہ" [۲]،

مولانا کا فقر و تصوف اشراقیین کی اشراقیت، ہندی جوگیوں کا جوگ یا عیسائی راہبوں کی رہبانیت نہیں، کیونکہ وہ مردِ حق اور متبع رسول ہیں، ان کے مسلک میں رہبانیت نہیں، بلکہ لا رہبانیۃ فی الاسلام ہے،

مسلک کی جامعیت، | مولینا کا ارشاد ہے کہ "دین و دنیا یکے نمی شود، مگر مردانِ حق را" [۳] "فیہ ما فیہ" میں بھی منشار ظاہر فرمایا ہے، اور یہی حدیث درج کی ہے، یہ مسلک نبوت کی خصوصیت ہے، کہ اس میں ظاہر و باطن کی جامعیت ہوتی ہے، اتباعِ نبوت کی وجہ سے مولینا میں بھی یہ جامعیت و حقیقت ہے، اس پر انکی زندگی بھی شاہد ہے، اور ان کے ملفوظات بھی، فیہ ما فیہ میں ہے،

" اما ما را ہمارا دل بخدمت بود، اما می خواستیم کہ بصورت شرف شویم، زیرا کہ صورت نیز اعتبار عظیم دارد، چہ جائے اعتبار خود، مشارکست با مغز ہمچنانکہ کار بے مغز نمی آید"

---

[۱] مناقب العارفین ص۱۴۰، [۲] ، ص۲۳۶، [۳] ، ص

بے پوست نیز ہم برنمی آید"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض متصوفین جو اپنے آپ کو ظاہر کا پابند نہیں سمجھتے، اور صرف آ کمالِ باطن خیال کرتے ہیں، کہ وہ کس درجہ سچائی پر ہیں، یہ محض افترا اور خلافِ جامعیت ہے، مولینا کے قول سے ظاہر ہے کہ کبھی انسان ظاہر سے بے نیاز نہیں ہو سکتا، جیسے جیسے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے، ظاہر باطن دونوں کے اعتبار سے مراتب اور مدارج پڑھتے ہیں، اور یہی نبوت کا رنگ ہے، اکبر مرحوم نے سچ کہا ہے،

شریعت در محفلِ مصطفےٰ — طریقت عروجِ دلِ مصطفےٰ،
شریعت میں ہے صورتِ فتح بدر — طریقت میں ہے معنیٔ شقِ صدر
شریعت میں ہے قیل و قالِ حبیب — طریقت میں حسن و جمالِ حبیب،
نبوت کے اندر ہیں دونوں ہی رنگ — عبث ہے یہ ملا و صوفی کی جنگ،

اب دیکھئے کہ دیوان سے جو مسلک مستنبط ہوتا ہے، اسے کس حد تک ان اعتبارات سے ربط ہے،

فرماتے ہیں کہ فقرا الی اللہ کا اقبال رحمۃ للعالمین ہی کے دم سے ہے، ع:-

از رحمۃ للعالمیں اقبالِ درویشاں ببیں،

کیونکہ عاشقانِ الٰہی کے سردار محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں،

چون مصطفےٰ است سرور سردار عاشقاں — جملہ مطیع او شدہ چہ شاہ و چہ گدا،

اسلئے حکم ہوتا ہے کہ اگر فقر اختیار کرنا ہو، تو راہ نسبتِ پیغمبر اختیار کرنی چاہئے، ع

فقر بگزیں راہ رو کاں سنتِ پیغمبر است،

کفر کی سیاہی نورِ محمدی ہی سے دور ہوتی ہے،

جامہ سیاہ کرد کفر نورِ محمد رسید،　　طبل بقا کوفتند ملک مخلّد رسید

رند پاکباز جب کبھی شرابِ حقیقت کا جام نوش فرماتے ہیں، تو وسیلہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا سے لیتے ہیں،

پاکانِ راہ فقر زخمخانۂ الست　　جامے چو در کشند دم از مصطفےٰ زنند

رسالت کی پیروی ہی سے انسان صراط مستقیم پر رہتا ہے، دوسرے طریقے غولانِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں، جس سے سالک گمراہ ہوتا ہے،

رہ گم نہ کنیم و پے ہر غول نہ پوئیم　　جز در عقبِ احمد مختار نہ گردیم

کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے میخانہ غیبی کا دروازہ کھولا ہے، ع

بگشاد محمد درِ مے خانۂ غیبی

مقصود اتباع نور محمدی ہی سے حاصل ہوتا ہے، ان کے آگے اپنے خیالات وخطرات کے اصنام توڑ دینے چاہئیں، ورنہ شرک فی الامر ہو جائے گا،

ما چند صنم پیش محمد بشکستیم،　　تا در صنم دلبر و دلخواہ رسیدیم

فلک پیما و شب بیدار باشم　　طریقِ احمد مختار از اختر بگیرم،

مولینا کے سلسلۂ طریقت کے قافلہ سالار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں،

بخت جوان یار ما دادنِ جان کار ما　　قافلہ سالار ما فخر جہان مصطفےٰ،

لا تموتن الا وانتم مسلمون کی فضیلت انہی اصحاب کو حاصل ہوئی، جو اخلاق مصطفوی کو اپنا شعار بناتے ہیں،

وان کہ اخلاق مصطفےٰ جویند،　　چون ابوبکرؓ چون عمرؓ میرند،

دامنِ محمدی سے اپنے آپ کو حضرت بلالؓ کی طرح وابستہ کرنا چاہیئے،

ردائے احمد مختار بگیر اے عاشق　　　صلائے عشق شنو ہر دمے ز روح بلال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار سے جہل حقیقت اور کفر پیدا ہوتا ہے،

گر جاحد ایزدم جہو لم،　　　ور منکر احمدم جہو دم،

ترقی اس نے کی جو بندۂ دین وکیش ہوا، کیونکہ تصوف عین منشائے شریعت کی حسن وکمال واخلاص کیساتھ تکمیل کا نام ہے،

اے خنک آنکہ پیش شد بندۂ دین وکیش شد　　　موسیٰ وقت خویش شد جانب طور میرود

پیر کی رہنمائی، | علم وعمل کی ہر شاخ میں رہنمائی کی ضرورت ہے، ورنہ حیات علمی کی تعمیر ممکن نہیں اسی طرح دین میں بھی ہادی ورہنما کی ضرورت ہے، دین کے ظاہر وباطن دونوں پہلو ہیں، اسلئے کمال ایمان اور صاحب صفا بننے کے لئے ایسے آدمی کی صحبت اور ہدایت کی ضرورت ہے جس کا ظاہر وباطن آراستہ ہو، ایسے ہی شخص کو مرشد یا پیر کہتے ہیں، ہر اس انسان پر جو اخلاص اور صفا کا کمال حاصل کرنا چاہتا ہے، ایسے رہنما کی تلاش لازم ہے، وابتغوا الیہ الوسیلۃ کونوا مع الصادقین، واصبر نفسك مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ (کھف)

سلوک الی اللہ کی اولین شرط یہی ہے کہ کوئی پیر حق پرست نصیب ہو، مولینا کا فرمان ہے،

"آدمی میباید کہ آن تمیز خود را عاری از غرضہا کند، ویارے کہ جوید، در دین کہ دین یار شناسیست"[1]

مناقب[2] میں مولانا کا قول درج ہے،

"بدانی کہ بے تربیت شیخ ہیچ تربیتے نیست وہر طاعت بے براست وبے نور" من لاشیخ لہ لا دین لہ

ہیچ نہ کشد نفس را جز ظل پیر،　　　دامن آن نفس کش را سخت گیر،

---

[1] فیہ ما فیہ ص۱۱، [2] مناقب العارفین ص۱۵۶،

دیوان میں مولینا نے اس مسئلہ پر انہی خیالات کا اظہار کیا ہے،

بے دولت مخدومی شمس الحق تبریز — نے ماہ توان دیدن نے بحر توان شد

شمس الحق تبریزی صد گونہ کند دل را — گاہیش کند تیغش گاہیش سپر سازد

لیکن پیر کی صفت اور اس کا معیار یہ ہو کہ وہ ہم نفس مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہو، اور انوار مصطفوی سے اسکا دل منور ہو،

رسد بفیض تجلی شمس تبریزی — دلے کہ نور ز انوار مصطفےٰ دارد

شاہ شہے بخش جان مفخر تبریزیان — آنکہ در اسرار عشق ہم نفس مصطفےٰ ست

در ہوائے شمس تبریزی ز ظلمت درگذر — ناگہان سر بر زنی در نور سبحان ہمچنین

علماے امت انبیا کے وارث ہوتے ہیں، بلکہ ان کی مثال انبیاے بنی اسرائیل کی سی ہے، اسلئے مولینا مرشد کو نبی وقت سے تعبیر فرماتے ہیں، حضرت شمس کے متعلق لکھا ہے،

بکشادند خزینہ ہمہ خلعت پوشید،

مصطفےٰ باز بیامد ہمہ ایمان آرید،

عشق پر مسلک کمال منحصر ہے، تقریر بالا سے یہ ظاہر ہے کہ مولینا کا تصوف اُن کا فلسفۂ حیات اور انکا مسلک یہی ہے، کہ توحید کے مراتب بکمال حاصل کئے جائیں، اور حصول مقصد کی راہ یہی ہے کہ علماً اور عملاً رسول کی پوری پوری اتباع کیجائے، اپنے دین کو خدا کے لئے خالص کیا جائے، اپنے اندر کمال اخلاص اور تسلیم پیدا ہو، نماز و عبادت میں جس طرح اپنا رخ قبلہ کی طرف ہوتا ہے، اسی طرح قلب بھی ہر وقت حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے،

ان کمالات کے حصول کے لئے ضروری ہو کہ ایک ایسے شخص کی ارادت اور صحبت اختیار کیجائے جو ان مراتب ایمانی کو حاصل کر چکا ہو، اور وہ انوار نبوت سے مستنیر ہو، لیکن مولینا کی نظر میں اصولاً

سلوک کی کوئی منزل بغیر درد و طلب، عشق و محبت، تڑپ اور بے چینی کے طے نہیں ہو سکتی، جبتک دل میں محبت کا بیج نہ ہو، ایمان کا درخت پھل نہیں لاسکتا، اخلاص و رضا کا سمندر کشتی عشق ہی کے ذریعہ پار کیا جاتا ہے، فیہ مافیہ میں ارشاد ہوتا ہے،

"دردیست کہ آدمی را رہبر است، در ہر کارے کہ ہست تا اورا درد آن کار،
ہوس و عشق آن کار در درون نخیزد، او قصد آں کار نکند و آن کار بے درد اورا
میسر نشود خواہ دنیا و خواہ آخرت خواہ بازرگانی خواہ بادشاہی خواہ علم خواہ عمل،

دیوان میں بھی مولانا نے عشق کا یہی مقام قرار دیا ہے، اور اسکی ایسی ہی اہمیت بیان کی ہے، فرماتے ہیں کہ عشق ہی باعثِ کائنات اور مقصودِ تخلیق ہے، ع

نخست از عشق او زادم بآخر دل بدو دادم

عشق سے مقصود عبدیت اور بندگی ہے،

ہر کہ اندر عشق یابد زندگی، کفر باشد پیش او جز بندگی،

عشق کی اہمیت،

جہان درخت عمل برگ و میوۂ او عشق چو برگ و میوہ نہ باشد شجر چہ سود کند

عشق معراج است سوی بام سلطان ازل از رخِ عاشق فرو خوان قصۂ معراج را

زندگی کی آخری سانس بھی اسی عشق کے پیدا کرنے میں صرف ہونی چاہیئے، ع

ترا اگر نفسے ماند غیر عشق مجوئے،

عشق ہی کا اندیشہ جہاد اکبر ہے، کیونکہ اس کی کشمکش اندیشۂ باطن کے ساتھ ہے، اس کا مقابلہ نفس کے ساتھ ہے، کیونکہ محبوبِ حقیقی کی محبت کو ماسوا کی محبت پر غالب کرنا پڑتا ہے، اور ہر فعل کو مرضی حق کے تابع کرنا پڑتا ہے، اسے نور الٰہی سے دیکھنا پڑتا ہے،

"چوں تمام اورا ایمان حقیقی باشد، او ہمہ فعل کند کہ حق خواہد" (فیہ مافیہ ص۱۳۶)

رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر یعنی با نفس مصاف کردن جہاد اکبراست،

(فیہ مافیہ ص۶۴)

نیجہ اور استقامت، | یہ راہ بڑی کٹھن ہے، اس کوچہ میں صرف پائے ثبات ہی کو اذن سیر ہے، اور وہی آستانہ جاناں تک پہنچ سکتا ہے، جو صاحبِ استقامت ہے، اسی راہ کے اختیار کرنے سے انسان اپنے شرف و عظمت کے اصلی مقام پر پہنچتا ہے، اسی طریق میں اس کا نشانہ خدا پر ہوتا ہے، خلافتِ الٰہیہ کی منزل تک اسے رہنمائی ہوتی ہے، اور جب اس نے اپنے آئینہ کو غیریت کے گرد و غبار سے صاف کیا ہے، تو ہمیشہ جمالِ الٰہی اس میں منعکس ہوتا ہے، (دیوان کے اشعار فیہ مافیہ سے ملفوظات کی مطابقت کیساتھ درج کئے جاتے ہیں،)

"وجود آدمی اصطرلاب حق است، چوں اورا حق تعالیٰ بخود عالم و دانا و آشنا کردہ باشد ان اصطرلاب وجود حق خود تجلی حق را و جمال بیچون را دمبدم و لمحہ لمحہ می بیند وہرگز آں جمال ازین آئینہ خالی نباشد" (فیہ مافیہ ص۱۳)

مومن بکمال ایمان کے باعث آئینۂ مومن (اسم اللہ) بنجاتا ہے، مولینا کے متعلق افلاکی کا قول ہے، کہ

"در معنی المومن، مرآت المومن لطائف می فرمود گفت اللہ را یک نام مومن است و بندہ را ہم مومن المومن مرآۃ المؤمن یعنی تجلی فیہا دتبہ یعنی در بندہ مومن اللہ مومن تجلی میکند تو اگر رویت اللہ میخواہی، درآں مرات درانا بینی آنچہ بینی،

آہن من صیقل عشقش چو یافت | آئینہ کون رفت از وسے آہنی

(مناقب العارفین ص۳۰۹)

نہ ز بویم نہ ز رنگم نہ ز جسمم نہ ز جانم حذر از تیرِ خدنگم کہ خدائیست کمانم

حق تعالیٰ انفس مومن کا خریدار ہوتا ہے، اس کی قیمت ذات اور صفات کے سارے فیوض ہیں، جسے جنت کہتے ہیں، جو ان برکات کے ظہور کا محل اور مقام رضا ہے" حق تعالیٰ ترا قیمت عظیم کردہ است، ومی فرماید کہ ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ،

تو بہ قیمت برابر جانی، چہ کنم قدر خود نمی دانی،

(فیہ مافیہ ص۱)

نتیجہ سلوک بقاباللہ، عاشق "ترک نفی خودی" کر چکا ہے، اب انائے مطلق کی طرف سے اثباتِ دوام حاصل ہوگا، اسی کو بقا باللہ کہتے ہیں، یہی حاصلِ فنا ہے،

خیالِ ترکِ من ہر شب صفات ذاتِ من گردد مرا نفی من در وے ہمہ اثباتِ من گردد،

یہی حیات بعد الممات کا احسن ترین مرتبہ ہے، عارف عاشق اسی لئے موت سے بے خوف ہوتا ہے، کہ موت اس کے لئے راہِ وصال اور رفعِ حجاب ہے، مولینا نے اس اصول اور اسی خیال کو ایک غزل میں تشریحًا بیان فرمایا ہے،

بروز مرگ چو تابوت من روان باشد گمان مبر کہ مرا میل این جہان باشد

جنازہ ام تو چو بینی مگو فراق فراق مرا وصال و ملاقات آنزمان باشد

فرو شدن چو بہ بینی بر آمدن بنگر غروبِ شمس و قمر را چرا زیان باشد

کدام دلو فرو شد کہ ز آب در نامد
زچاہ یوسف جان را چرا زیان باشد

الحمد للہ کفی والسلام علی من اتبع الھدیٰ،